

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے بابا کے بعد

<?xml encoding="UTF-8">

۱- سقیفہ کا المیہ

امت اسلامیہ کی تاریخ کا سب سے سنگین واقعہ، جس کی سلگائی ہوئی آگ کی لپٹیں اور جس کے دھماکوں کی گونج آج تک باقی ہے اگرچہ وہ واقعہ رسول اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے فوراً بعد ہی رونما ہو گیا تھا۔

اس وقت کی پدلہ صورت حال پر کچھ بنیادی اور انفرادی عوامل حاوی تھے، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خداوند عالم کی طرف سے لائے ہوئے دین کی تبلیغ ہر لحاظ سے مکمل کردی اور آپ کا وجود پر نور، ایمانی شعاعوں کی ضو فشرانی کا عنصر اور استقرار و تعمیر کا بہترین ذریعہ تھا، لیکن اسلامی سماج کے اندر جو گہرا فاصلہ پیدا ہو چکا تھا اور اس کی انتہا کا کوئی سرا نہیں تھا یہ فاصلہ کبھی کبھی ایسے متعدد لوگوں کی عقلوں اور ان کی حرکتوں سے بالکل مجسم شکل میں سامنے آجاتا تھا جو جزیرہ نمائے عرب کے اندر اسلام کی تروتازہ تحریک اور قدرت و طاقت کے اصل مرکز سے قریب تھے اور ان کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان ردّ و قدح (نوک جھونک) پیغمبر کی وفات کے فوراً بعد ہی بالکل کھل کر سامنے آگئی تھی۔

امت اسلامیہ کے درمیان جو اختلاف ظاہر ہوا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے پاس صحیح اسلامی عقیدہ کا حقہ موجود نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ اسی اختلاف کی بنیاد پر اسلامی حکومت میں کجروی پھیلی اور مسلمانوں کے درمیان آج تک اس کے جو مہلک نتائج سامنے آ رہے ہیں وہ سب اسی کی دین ہیں۔

جس دور میں رسول اکرم کی وفات ہوئی ہے اس کے فوراً بعد متضاد قسم کے حادثات اچانک رونما ہوتے چلے گئے۔ لہذا اس دور میں جناب فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کے درخشنده کردار کا جائزہ لینے کے لئے پہلے ہمیں اس وقت کے عام حالات کے ساتھ ساتھ ان حادثات کا بھی گہرائی سے مطالعہ کرنا ہوگا تاکہ اس کے ذریعہ اس دور میں امت اسلامیہ کی صحیح صورتحال اور اس کے اندر موثر اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے والی طاقتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکے، جن کی وجہ سے بطور عموم اور اہل بیت طاہرین (علیہم السلام) اور خاص طور سے شہزادی کائنات (علیہا السلام) پر جو ظلم و ستم اور زیادتی ہوئی ان پر اس کا کیا اثر ہوا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے سقیفہ کا واقعہ سامنے آتا ہے اور اس کے بعد رونما ہونے والے تمام واقعات میں اس کا بنیادی کردار ہے۔

ادھر مولائے کائنات (علیہ السلام)، اہل بیت (علیہم السلام) پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، بنی ہاشم (علیہم السلام) اور ان کے سب چاہنے والے تو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے غسل و کفن اور دفن میں ہی مصروف تھے کہ اس موقع سے ان عناصر نے غلط فائدہ اٹھالیا کہ جن کے منہ میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خلافت کو دیکھ کر پانی آچکا تھا، اور پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ تعالیٰ کے جو اوامر و نواہی پہنچائے تھے انہیں ان کی کوئی پرواہ بھی نہیں تھی۔

اب ہمارے سامنے دو طرح کے طرز عمل ہیں:

۱- عمر بن خطاب پیغمبر اکرم کے گھر کے چاروں طرف موجود، غمزہ مسلمانوں کے درمیان چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے ہیں: پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انتقال نہیں ہوا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جو ایسی بات آپنی زبان سے نکالے اسے، دھمکی بھی دے رہے ہیں اور وہ آپنی اس بات پر اس وقت تک اڑے رہے جب تک ابوبکر مدینہ کے باہر سے وہاں نہیں پہنچ گئے۔

۲- دوسری طرف سقیفہ بنی ساعدہ کے اندر انصار، سعد بن عبادہ خزرجی کی سرکردگی میں اکٹھا ہیں۔ اس بات پر مورخین و محدثین کا اتفاق ہے کہ عمر کا یہ انداز اس وقت تک باقی رہا جب تک ابوبکر نہ آگئے اور انہوں نے یہ آیت پڑھ کر نہیں سنائی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبِهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذرچکے ہیں کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے جو بھی ایسا کرے گا وہ خدا کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور خدا تو عنقریب شکر گذاروں کو ان کی جزا دے گا۔

جس سے عمر کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ ابوبکر کے ساتھ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر سے نکل کر چلے گئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جنازہ کو ان کے غمزہ گھر والوں کے درمیان یونہی چھوڑ دیا۔

قرائن اور تاریخ و سیرت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ دونوں وہاں سے نکل کر سیدھے اس جگہ پہنچے جسے انہوں نے وقت ضرورت اور ہنگامی پالیسی تیار کرنے کے لئے پہلے سے طے کر رکھا تھا، دوسری طرف اکثر انصار، جن میں سعد بن عبادہ بھی شامل تھے ان کے حساب سے تو رسول اکرم کے بعد صرف حضرت علی کو ہی خلیفہ ہونا چاہیئے تھا جب کہ عام مسلمانوں کا خیال بھی یہی تھا کہ خلافت حضرت علی کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں جاسکتی ہے۔

لیکن جب انصار کو یہ معلوم ہوا کہ بڑے بوڑھے (پرانے) مہاجرین نے اس کارخ موڑنے اور اس پر قبضہ کرنے لئے باقاعدہ ایک گروپ تیار کر رکھا ہے اور وہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام تاکیدوں کو پس پشت ڈال کر خلافت کی باگ ڈور کو راہ حق سے منحرف کر کے اس میں اپنے اس نئے قرشی معاہدہ (پلاننگ) کے ذریعہ جاہلیت کی روح پھونکنے اور قبائلی تنازعات کو دوبارہ زندہ کرنے کے درپے ہیں تو وہ بھی خلافت کی دوڑ میں کود پڑے کیونکہ انہوں نے پیغمبر اسلام اور آپ کی تبلیغ کے لئے آپنی جان و مال کی ایسی قربانی دی تھی کہ اتفاقاً خلافت پر قبضہ جمانے کا منصوبہ بنانے والے مہاجرین میں سے کسی ایک نے بھی ایسی قربانی پیش نہیں کی تھی چنانچہ جب انصار کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا تو ان میں سے کچھ لوگ سعد بن عبادہ کی سرکردگی میں خلافت کے بارے میں غور و خوض کرنے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور انہیں میں سے کچھ لوگوں نے خلافت کے لئے سعد بن عبادہ کا نام پیش کرنا شروع کر دیا۔ اُدھر جب یہ خبر بعض ایسے انصار کے ذریعہ مہاجرین تک پہنچ گئی جن کی سعد سے ان بن ربتی تھی اور وہ سعد کے مفاد کے خلاف کام کیا کرتے تھے تو مہاجرین آپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے، چنانچہ انصار کی طرف سے ایک مقرر کھڑا ہوا اور اس نے اسلام کی راہ میں انصار کے ایثار و قربانی کے ساتھ ساتھ مہاجرین کے اوپر ان کے احسانات کا تذکرہ کرنے کے بعد ان سے یہ خواہش کی کہ وہ ان کی تمام جانفشانیوں سے چشم پوشی نہ کریں اور اس میں ان کا بھی کچھ حق ہونا چاہئے اس کے بعد ابوبکر کھڑے ہوئے اور انہوں نے قریش کی عظمت و بزرگی کی تعریف کے پل باندھنا شروع کر دئے اور ان کے ذہنوں کو اسلام سے پہلے عربوں کے درمیان رائج

طریقوں اور حسب و نسب پر فخر و مباہات کی طرف موڑ دیا۔

عقد الفرید کی روایت کے مطابق انہوں نے یہ کہا: ہم مہاجرین سب سے پہلے اسلام لانے والے حسب و نسب کے اعتبار سے ہر ایک سے برتر، بستی کے بیچوں و بیچ رہنے والے، اور سب سے زیادہ خوبصورت اور رشتہ داری کے لحاظ سے رسول اللہ سے سب سے قریب ہیں پھر مزید یہ کہا:

عرب قریش کے اس قبیلہ کے علاوہ کسی کی فرمانبرداری قبول نہیں کرسکتے ہیں لہذا جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے مہاجر بھائیوں کو فضیلت بخشی ہے اس میں ان سے مقابلہ نہ کرو، لہذا میں تمہارے لئے ان دونوں میں کسی ایک کے لئے راضی ہوں یہ کہہ کر انہوں نے عمر بن خطاب اور ابو عہیدہ جراح کی طرف اشارہ کیا ابوبکر نے فرصت کو غنیمت سمجھا اور وہ اسی طرح قریش اور خاص طور سے مہاجرین کی تعریفوں کے پل باندھتے رہے۔ کیونکہ بشیر بن سعد خزرجی کو اپنے ابن عم (سعد بن عبادہ) سے حسد تھا لہذا ایک کونے سے ان کی یہ آواز ابھری: اے لوگو! یہ دہیان رہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تعلق قریش سے ہے لہذا ان کے قبیلہ والے ان کی جانشینی کے زیادہ حقدار ہیں اور خدا کی قسم، اللہ مجھے کبھی بھی اس معاملہ میں ان سے اختلاف کرتے ہوئے نہیں دیکھے گا۔

حاباب بن منذر خزرجی کو اپنے ابن عم کی یہ دھوکہ بازی اور حسد بھرا انداز بیحد ناگوار گذرا تو انہوں نے کہا: بشیر بن سعد کو یہ جلن ہوگئی ہے کہ نہی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد سعد بن عبادہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جانشین اور خلیفہ بن جائیں لہذا انہوں نے ایسا انداز اپنایا کہ جس کے بارے میں کوئی بھی سعد کے استحقاق اور ان کی اولویت پر انگلی نہیں اٹھا سکتا پھر انہوں نے بشیر کی طرف رخ کرکے کہا: اے بشیر تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یقیناً تم نے امت کی سربراہی کے معاملہ میں اپنے ابن عم سعد بن عبادہ سے حسد کیا ہے۔

یہ اختلافات یہیں ختم نہیں ہوئے بلکہ قبیلہ اوس کے ایک سردار اسید بن حضیر نے کھڑے ہوکر دور جاہلیت کے دبے ہوئے کینے ابھارنا شروع کردئے اور قبیلہ اوس و خزرج کے درمیان جن اختلافات کو اسلام نے دبا دیا تھا اس نے وہ گڑے مردے پھر سے اکھاڑنا شروع کردئے اور اوس کو مخاطب کرکے یہ کہا: اے اوس کے بیٹو! اللہ کی قسم اگر تم نے ایک بار بھی سعد کو اپنا حاکم تسلیم کرلیا تو خزرج والوں کو تم پر فوقیت حاصل ہو جائے گی اور وہ تمہیں کبھی بھی اس میں حصہ دار نہیں ہونے دیں گے۔

ابوبکر نے بشیر بن سعد کے بھڑکانے والے ان جملات کو غنیمت سمجھا اور ایک ہاتھ سے عمر اور دوسرے ہاتھ سے ابو عہیدہ کا ہاتھ پکڑ کر یہ آواز لگائی اے لوگو! یہ عمر ہیں اور یہ ابو عہیدہ ہیں لہذا تم ان میں سے جس کی بیعت کرنا چاہو کرسکتے ہو، ان تینوں کی رچی ہوئی پالیسی کو دیکھ کر حباب بن منذر نے کھڑے ہوکر کہا: اے میرے انصار بھائیو! اپنے ہاتھ کہینچ لو اور اس کے اور اس کے ساتھیوں کی بات ہرگز نہ سنناورنہ وہ تمہارے حق پر قبضہ کرلیں گے، یہ سن کر عمر بن خطاب کو غصہ آگیا انہوں نے جھلا کر کہا: ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دوست اور ان کے خاندان والے ہیں ان کی حاکمیت و سلطنت میں ہمارے مدمقابل کون اسکتا ہے؟ مگر یہ کہ جو ناحق طریقہ سے گناہ کا سہارا لیتے ہوئے ہلاکت میں پڑجائے؟

حاباب بن منذر نے دوٹوک انداز میں جب عمر بن خطاب کا یہ چیلنج سنا تو ایک بار پھر انصار کی طرف رخ کرکے کہا: اگر یہ تمہارا مطالبہ نہ مانیں تو انہیں اس شہر سے باہر نکال دو، اللہ کی قسم تم اس کے ان سے زیادہ حقدار ہو تمہاری تلواروں کے زور پر ہی لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے یہ کہہ کر انہوں نے تلوار نکال لی اور اسے ہوا میں لہراتے ہوئے کھامیں باتجربہ اور واقف کار ہوں، اس کے اوپر بوجھ روکنے والا ہوں اور اللہ کی قسم اگر

تم چاہو تو میں اسے اس کی پرانی شکل میں پلٹادوں گا۔

یہ سن کر عمر بن خطاب کا غصہ بھڑک اٹھا اور ابھی دونوں کے درمیان فتنہ کی آگ بھڑکنے ہی والی تھی کہ ابو عہیدہ جراح نے کھڑے ہو کر کہا: اے گروہ انصار: آپ ہی لوگ وہ تھے جنہوں نے سب سے پہلے مدد اور پشت پناہی کی لہذا سب سے پہلے رخ پھیرنے اور بدل جانے والے نہ ہو جانا اور پھر وہ ان سے ایسے پر التماس انداز میں گذارش کرتے رہے کہ جس سے انصار کچھ ٹھنڈے پڑ گئے اور انصار اسی طرح دو دھڑوں میں بٹے ہوئے تھے کہ اس گفتگو کے بعد حضرت عمر بڑی تیزی کے ساتھ ابوبکر کی طرف بڑھے اور ان سے کہا اے ابوبکر آپنا ہاتھ بڑھائیے،

کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ نے تمہیں جو مقام اور مرتبہ عنایت فرمایا ہے اسے کم کرسکے، اس کے بعد ابو عہیدہ نے یہ کہا: تم مہاجرین میں سب سے افضل ہو اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے یار غار اور نماز میسر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلیفہ ہو، تو ابوبکر صاحب نے ان دونوں کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلادئے اور ان دونوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی اس کے فوراً بعد بشیر بن سعد اور کچھ خزرجیوں نے بھی بیعت کر لی اور پھر اسید بن حضیر اور اوس کے کچھ لوگوں نے بھی ان کی بیعت کر لی اور ابوبکر کا نعرہ لگاتے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ سے باہر نکل گئے اور راستہ میں جس کے پاس سے بھی گذرتے تھے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے ابوبکر کی بیعت کرنے کے لئے کہتے تھے اور جو کوئی انکار کرتا تھا عمر اس پر کوڑے برساتے تھے اور ان کے ساتھی اس پر ٹوٹ پڑتے تھے یہاں تک کہ اسے بیعت کرنے پر مجبور کردیتے تھے اور اس انداز سے ابوبکر کی بیعت لی جاتی رہی جو اکثر لوگوں کے لئے بالکل اتفاقی اور غیر متوقع تھی۔

اس پوری صورتحال کو دیکھنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی (علیہ السلام) کو خلافت و حکومت سے دور رکھنے کا منصوبہ صرف ان چند گھنٹوں کا کرشمہ نہیں تھا، جس کی تائید موجود شواہد سے بھی ہوئی ہے نیز یہ کہ سعد بن عبادہ کے لئے ان کی پہلے سے کوئی تیاری نہیں تھی جس کا اظہار ان کے درمیان موجود اختلاف سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ یہ بھی ظاہر ہے کہ تینوں سربراہ (لیڈر) یعنی ابوبکر، عمر بن خطاب اور ابو عہیدہ جراح قریش کے اس گروہ کے سربراہ تھے جو خلافت پر قبضہ کر کے مولائے کائنات (علیہ السلام) کو اس سے دور کردینا چاہتے تھے اور انصار کے مقابلہ میں ان کے پاس کل دو دلیلیں تھیں: پہلی یہ کہ مہاجرین پہلے اسلام لائے، اور دوسری یہ کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قریبی رشتہ دار ہیں اور اس طرح ان سربراہوں نے اپنے لئے اس دلیل کو سہارا بنالیا کیونکہ اگر خلافت کا معیار واقعاً سابق الاسلام ہونا یا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قربت کا ہونا ہوتا جیسا کہ وہ اس کے مدعی تھے تب تو یہ صرف حضرت علی (علیہ السلام) کا حق تھا، کیونکہ تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق سب لوگوں سے پہلے آپ نے ہی رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق کی اور ان پر ایمان رکھنے کا اعلان کیا

نیز جب پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدینہ میں مہاجرین و انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا تو اس وقت حضرت علی (علیہ السلام) کو آپ نے اپنا بھائی قرار دیا تھا اس طرح وہ نسبی اعتبار سے آپ کے ابن عم اور دوسروں کے بالمقابل آپ سے بے حد قریب تھے۔

اس طرح تو ابوبکر نے اس وقت اپنی ہی مخالفت میں بیان دیا تھا کہ جب انہوں نے انصار کے مقابلہ میں قرابت داری اور پہلے اسلام لانے کو دلیل بنا کر پیش کیا تھا اور اسی وجہ سے انہوں نے سابق الاسلام اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رشتہ دار ہونے کی بنا پر عمر بن خطاب اور ابو عہیدہ کا نام تو خلافت کے لئے پیش کر دیا مگر حضرت علی (علیہ السلام) کے حق کے بارے میں بالکل انجان بن گئے جن کے ہاتھوں پر غدیر خم کے میدان

میں صرف دو تین مہینے پہلے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان حاجیوں نے بیعت کی تھی، اور آپ (علیہ السلام) نے ہی سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تھا نیز آپ (علیہم السلام) نسب کے اعتبار سے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ابن عم اور برائے خدا ان کے تنہا بھائی تھے جس کے بارے میں تمام مورخین اور محدثین کا اجماع ہے اور انہیں کے جہاد، ایثار و قربانی کے کارناموں کی وجہ سے اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوئیں اور اس کے پیر جم گئے اور وہ شرک و بت پرستی اور قریش کے مقابلہ میں کامیاب ہوا۔

مختصر یہ کہ جب ابوبکر نے ان دونوں باتوں کو صحیح و سالم اور مضبوط دلیل کے طور پر پیش کیا تھا اور خلافت کے لئے دو نام بھی پیش کردئے تو اس وقت ان کی نظروں سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں تھا بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ وہ اور ان کے ساتھی اس بارے میں پہلے ہی پورا نقشہ تیار کرچکے تھے اور بعض انصار و مہاجرین کے ساتھ مل کر حضرت علی (علیہ السلام) کو خلافت سے دور کرنے اور خود خلافت پر ہر طرح سے تسلط قائم کرنے کے بارے میں متفق ہوچکے تھے دوسری طرف انصار سے تعلق رکھنے والے اس دوسرے فریق کے ساتھ گفتگو بھی جاری تھی جنہوں نے ابوبکر اور ان کے ساتھیوں کی پوزیشن کو خطرہ میں ڈال دیا تھا اور وہ سب سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوکر خلافت کے بارے میں بات چیت میں مشغول تھے، ابوبکر اور ان کے ساتھیوں نے انصار کی اُس پارٹی سے طاقت کی زبان استعمال کی اور کسی نہ کسی طرح حقائق پر پردہ ڈال کر اور ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر سہی انہیں زیر کر لیا جو آپنے دوسرے دھڑے پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہے تھے۔

جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ابوبکر نے یہ اشارہ کیا کہ تم لوگ عمر بن خطاب اور ابو عہیدہ میں سے جس کی بیعت کرنا چاہو کرسکتے ہو تو عمر نے فوراً یہ کہا: تمہاری زندگی میں یہ کیسے ممکن ہے؟ کسی کو ہرگز یہ اختیار نہیں ہے کہ رسول اللہ نے تمہیں جو مقام عنایت کیا ہے کوئی تمہیں اس مقام سے نیچے اتار دے۔ یہ جواب ان دونوں کے تیار کردہ اس منصوبہ کی طرف بہترین اشارہ ہے جس کے نتیجہ میں ابوبکر کی بیعت لی گئی تھی، اور یہ کہ عین اسی وقت حضرت عمر نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے رائے عامہ کو اس طرح گمراہ کرنے کی کوشش کی کہ جیسے انہیں پیغمبر اکرم نے ہی آپنا جانشین منتخب کیا ہو جیسا کہ ان کے اس جملہ ”کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تمہیں جو مقام عطا کیا ہے وہ تم کو اس سے پیچھے ڈھکیل دے“ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ حیات پیغمبر لکھنے والے تمام قدیم مورخین و محدثین اور وہ موثق حضرات جنہوں نے آپ کی حدیثوں کی حفاظت کی ہے اور انہیں آپنی آئندہ نسلوں تک منتقل کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہ عہدہ جس کے لئے ابن خطاب اور ان کے ہم نواؤں نے یہ سب کچھ کیا ہے اس کے لئے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (چاہے دور سے ہی سہی) ان کے حق میں کبھی کوئی اشارہ کیا ہو۔ بلکہ ان کے ساتھ تو پیغمبر کا برتاؤ کچھ اس کے برخلاف ہی نظر آتا ہے یعنی آپ نے نہ ہی ان کو کوئی عہدہ دیا ہے اور نہ ہی کوئی ایسی ذمہ داری سونپی ہے جسے دوسروں پر ان کا کوئی امتیاز قرار دیا جاسکے اور بالفرض اگر انہیں کسی جنگ میں بھیج بھی دیا جیسے غزوہ ذات السلاسل یا کسی جنگ میں لشکر کا علم ان کے حوالہ کردیا جیسے جنگ خیبر میں دیکھنے میں آیا تو وہ وہاں سے مغلوب ہوکر سر جھکائے ہوئے واپس پلٹ آئے۔

آپنی عمر کے تقریباً بالکل آخری دور میں جب انحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آپنی موت کے نزدیک ہونے کا یقین تھا پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں اور عمر دونوں کو ہی اسامہ بن زید کی سرداری مدینہ چھوڑنے کا حکم دے دیا تھا جو ایک عام سپاہی تھے اس وقت اسامہ بن زید کی عمر (آخری اندازہ کے

(مطابق) بیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ رہا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مرض الموت میں ابو بکر کے نماز پڑھانے کا قصہ جس کی طرف ابو عہیدہ نے انصار سے گفتگو کے دوران اشارہ کیا تھا، تو یہ کوئی خاص بات نہیں ہے کیونکہ یہ ہمیشہ سے ایک عام بات رہی ہے کہ چھوٹا، بڑا اور فاضل و مفضل ایک دوسرے کی امامت اور اقتداء کرتے رہے ہیں اور اگر امامت کی بھی ہو تو اس سے کسی پر کوئی فوقیت پیدا نہیں ہوتی ہے، اور یہ شرف انبیاء و مرسلین یا قدیسین سے مخصوص نہیں ہے، اور اس کے لئے بھی انہیں ان کی بیٹی عائشہ نے اس وقت بلایا تھا کہ جب پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بستر سے نہیں اٹھ پارہے تھے اور جب آپ کو اس کا علم ہوا تو حضرت علی (علیہ السلام) اور عباس کے کاندھوں کا سہارا لیتے ہوئے مسجد میں تشریف لے آئے اور انہیں محراب سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں نماز پڑھائی جب کہ بیماری کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف تھی۔

اور سب سے عجیب بات جو عقل و منطق کے کسی معیار پر پوری نہیں اترتی یہی ہے مگر اسے محدثین و علمائے اہلسنت نے حضرت ابو بکر کی ایسی فضیلت بنادیا جو انہیں خلافت کا اہل بنادیتی ہے جب کہ اسی کے ساتھ وہ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ شب ہجرت میدان احد، جنگ خندق، صلح حدیبیہ، جنگ خیبر، حنین، تبوک، اور غدیر خم نیز مکہ و مدینہ میں مواخات جیسے اہم واقعات میں حضرت علی (علیہ السلام) نے حضور اکرم کے ساتھ اہم کردار ادا کیا ہے اور وہ ان تمام باتوں کو حضرت علی (علیہ السلام) کے لئے نہ صرف یہ کہ خلافت کی دلیل کے طور پر قبول نہیں کرتے بلکہ اسے اس کا اشارہ تک قرار نہیں دیتے جب کہ حضرت ابوبکر کی دو رکعت کی امامت کو مسلمانوں کی خلافت، قیادت و رہبری اور انہیں اس کے لائق قرار دینے کی واضح دلیل بنادیتے ہیں۔

نیز یہ کہ سقیفہ میں انصار کا اجتماع در اصل مہاجرین کے اس منصوبہ کا رد عمل تھا جس کے تحت وہ خلافت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، اس کی ایک دلیل وہ روایت بھی ہے جس میں زبیر بن بکر کا یہ قول نقل ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

جب کچھ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی، تو وہ انہیں مسجد میں اس طرح لے کر آئے جیسے کسی دلہن کو لایا جاتا ہے، جب شام ہوئی تو کچھ انصار اور کچھ مہاجرین جمع ہوئے اور اس بارے میں بات کرنے لگے، تو عبد الرحمن بن عوف نے کہا: اے گروہ انصار، اگرچہ تم اہل فضل و نصرت اور سابقین میں سے ہو لیکن تمہارے درمیان میں کوئی بھی ابوبکر، عمر، علی (علیہ السلام) اور ابو عہیدہ جیسا نہیں ہے۔

تو زید بن ارقم نے کہا: اے عبد الرحمن جن کے فضائل کا تم نے تذکرہ کیا ہے ہم ان کے منکر نہیں ہیں مگر ہم میں سے انصار کے سردار سعد بن عبادہ ہیں اور جسے اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سلام کھلوا دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سے قرآن لے لیں یعنی ابی بن کعب ہیں، اور اسی طرح جو روز قیامت علماء کا امام بن کر آئے گا یعنی معاذ بن جبل اور جن کی ایک گواہی کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دو گواہوں کے برابر قرار دیا ہے یعنی خزیمہ بن ثابت انصاری، اور ہمیں معلوم ہے کہ قریش کے جن لوگوں کا تم نے نام لیا ہے ان کے درمیان وہ بھی ہے کہ اگر وہ خلافت کا مطالبہ کرے تو اس بارے میں کوئی ان کا پاسنگ بھی نہیں ہے اور وہ علی بن ابی طالب (علیہما السلام) ہیں۔

تاریخ طبری میں ہے کہ جب ابوبکر نے خلافت کے لئے دو افراد یعنی ابو عہیدہ اور عمر بن خطاب کا نام پیش کیا اور وہ دونوں ابوبکر کے لئے اصرار کرنے لگے تو انصار نے کہا: ہم علی بن ابی طالب کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔

یہ دونوں روایتیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اگر مہاجرین کی طرف سے حضرت علی کا نام پیش کیا جاتا تو وہ آپ (علیہ السلام) کے مقابلہ میں نہ کھڑے ہوتے جس کا مطلب یہ ہے کہ سقیفہ میں ان کا ابوبکر کے مقابلہ میں کھڑا ہونا دراصل ان کے اس منصوبہ کی مخالفت میں تھا

جسے قریش نے خلافت پر قبضہ کرنے اور اس کے شرعی حقداروں سے چہین لینے کے لئے تیار کیا تھا۔ استاد توفیق ابو علم اپنی کتاب ”اہل البیت (علیہم السلام)“ میں کہتے ہیں: کوئی بعید نہیں ہے کہ جب سعد بن عبادہ نے مہاجرین کا یہ پختہ ارادہ بھانپ لیا کہ وہ حق کو صاحبان حق تک نہیں جانے دیں گے تو انہوں نے اس کے لئے آپنا نام پیش کردیا ہو۔

بہر حال اصل حقیقت چاہے جو کچھ بھی ہو، لیکن حضرت علی (علیہ السلام) کے بارے میں پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا طرز عمل اور مختلف مواقع پر آپ کی تصریحات کی بنا پر آپ جمہور مسلمین کے ایک بڑے حصہ کے نظریہ کے مطابق ان کے حاکم تھے حتیٰ کہ حضرت علی (علیہ السلام) بھی اس بارے میں پر اعتماد تھے کہ خلافت انہیں کا حق ہے۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں تحریر کیا ہے: حضرت علی (علیہ السلام) کو اس بارے میں کوئی شک نہیں تھا کہ خلافت ان کا حق ہے اور اس سلسلہ میں کوئی بھی ان کا مد مقابل نہیں ہے، وہ مزید کہتے ہیں: اور ان سے ان کے چچا عباس نے کہا: آپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ یہ کہا جاسکے کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا نے رسول کے ابن عم کی بیعت کر لی ہے تاکہ تمہارے بارے میں کوئی دو آدمی بھی اختلاف نہ کریں تو انہوں نے کہا: اے چچا، کیا میرے علاوہ بھی کوئی اس کا دعوے دار ہے؟

تو انہوں نے کہا جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا پھر آپ نے فرمایا: اس درد سری میں مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

چنانچہ وہ اور ان کے ساتھی اس وقت انگشت بدنداں رہ گئے کہ جب انہوں نے اس عجیب و غریب حادثہ کی خبر سنی اور یہ دیکھا کہ لوگ ابوبکر کو اس طرح مسجد میں لارہے ہیں جیسے کسی دلہن کو لایا جاتا ہے جب کہ حضور اکرم کا جنازہ ابھی تک آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر میں ہی موجود تھا

اور آپ کے اہل خانہ اور ازواج آپ کو سپرد خاک کئے جانے کے منتظر تھے اور جب حضرت علی علیہ السلام کو یہ معلوم ہوا کہ ابوبکر نے آپنے مخالف انصار کے سامنے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آپنی قرابت اور آپنے سابق الاسلام ہونے کو دلیل کے طور پر پیش کیا تھا تو ان کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ بھی ان کو انہیں دلیلوں سے لاچار کر دیتے جو انہوں نے دوسروں کے سامنے پیش کی تھیں اور اگر وہ ان دلائل کو صحیح تسلیم نہ کرتے یا انہیں قبول کرنے سے انکار کرتے تو آپ کے لئے عین ممکن تھا کہ ان کے سامنے ایسی دسیوں دلیلیں پیش کر دیتے جن میں کسی قسم کے بحث و مباحثہ اور غور و فکر کی گنجائش نہیں تھی البتہ اگر ان کے پاس دلیل و منطق کا کوئی خانہ ہوتا! اور آپ ان کو ان کے ان ہی دلائل سے خاموش کر دیتے جن پر وہ خود مصر تھے، اگرچہ اس کے باوجود بھی آپ نے انہیں باتوں کو دلیل بنا کر پیش کیا جن کے ذریعہ انہوں نے انصار پر غلبہ

حاصل کر لیا تھا، نیز آپنے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اقوال، نصوص آپنا ماضی، جہاد، رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اخوت جیسے دلائل بھی پیش کئے اور مسلسل آپنے حق کا مطالبہ کرتے رہے اور آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ سیدہ نساء عالمین جناب فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) فدک کے ساتھ آپنے شوہر نامدار کی خلافت کا مطالبہ بھی کرتی رہیں۔

اکثر راویوں نے نقل کیا ہے کہ ابو سفیان نے حضرت علی (علیہ السلام) کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی اور آپ کو

ان سے ڈرا کر سبز باغ دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے یہ کہا: خدا کی قسم میں ان کے خلاف مدینہ کو گھوڑوں اور سواروں سے بھر دوں گا، اور حضرت علی کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ کو ہوا دے کر انہیں آپس میں لڑانا چاہتا ہے تاکہ اسے اور اس جیسے ان تمام لوگوں کو جنہوں نے آپنے دلوں میں شرک و نفاق کو چھپا رکھا ہے موقع مل جائے اور وہ آپنے اسلام دشمن مقاصد کے تحت ان مسلمانوں سے آپنا بدلہ چکاسکیں جن سے بیس سال تک ابو سفیان نے جنگ کی تھی، اور اسی وجہ سے فتح مکہ کے موقع پر اس کا اور اس کی بیوی ہندہ جگر خوارہ کا اسلام مسلمانوں کے درمیان سب سے زیادہ ناگواری میں قبول کیا جانے والا اسلام تھا۔

کیونکہ یہ اس مغلوب کا اسلام تھا جس کے اوپر ہر طرف سے راستے بندھوچکے تھے اور اس کے لئے مسلمانوں کی صف میں داخل ہونے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار باقی نہیں رہ گیا تھا جب کہ ان دونوں کے دل کینے سے بھرے ہوئے تھے جو اس قسم کے حالات میں اکثر ظاہر ہوتا رہتا تھا۔ طبری اور کامل ابن اثیر کی روایت میں ہے: امیر المومنین نے ابو سفیان کو ڈانٹتے ہوئے اس سے یہ کہا: خدا کی قسم فتنہ و فساد کے علاوہ تیرا کوئی ارادہ نہیں ہے اور اللہ کی قسم تو ہمیشہ سے اسلام کا بدترین دشمن رہا ہے ہمیں تیری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۲-سقیفہ کے نتائج

واقعہ سقیفہ میں تین قسم کے مخالف سامنے آئے:

۱-انصار: جنہوں نے سقیفہ میں خلیفہ اور ان کے دونوں ہمنواؤں کی جم کر مخالفت کی یہاں تک کہ ان کے درمیان زبانی تکرار کے ساتھ لڑائی کی نوبت تک آگئی اور بالآخر عربوں کی دینی وراثت والی ذہنیت اور انصار کے دو دھڑوں میں تقسیم ہوجانے اور ان کے پرانے جھگڑوں کے سر ابھارنے کی وجہ سے اس کا خاتمہ قریش کی کامیابی پر ہوا۔

در اصل آپنے دفاع کے لئے ان کا سارا زور اسی نکتہ پر تھا جو ان کے خیال میں ان کا حق تھا اور بہت سے لوگوں کی نظر میں عزت و شرف کا ذریعہ بھی تھا کیونکہ قریش رسول اللہ کے خاندان والے اور ان کے اقرباء تھے لہذا وہ دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں آپ کی خلافت و حکومت کے زیادہ حقدار تھے اسی وجہ سے ابوبکر اور ان کی تائید کرنے والوں نے سقیفہ میں انصار کے اجتماع سے دوہرا فائدہ اٹھایا:

پہلے یہ کہ: انصار نے ایسا راستہ (طریقہ کار) آپنایا تھا جو انہیں حضرت علی (علیہ السلام) کی صف میں کھڑے ہونے اور آپ کی لیاقت و حکومت اور استحقاق کو آپنے لئے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

دوسرے یہ کہ: ابوبکر کا ان حالات نے اس طرح ساتھ دیا کہ انہیں انصار کے مجمع میں مہاجرین کے حقوق کا تنہا مدافع بنا ڈالا اور انہیں آپنی مصلحتوں کے لئے سقیفہ سے بہتر پلیٹ فارم نہیں مل سکتا تھا کیونکہ اس وقت اس پلیٹ فارم پر ایسے بڑے بڑے مہاجرین موجود نہیں تھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی وہاں موجود ہوتا تو پھر اس دن سقیفہ کا قصہ تمام نہیں ہوسکتا تھا۔

جب ابوبکر سقیفہ سے باہر نکلے تو ان کی ہیعت صرف ان بعض مسلمانوں نے کی تھی جنہیں اس میں کچھ حصہ مل چکا تھا یا پھر وہ اس پر کسی طرح بھی سعد بن عبادہ کا قبضہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

۲- بنی امیہ: جن کا ارادہ یہ تھا کہ انہیں بھی حکومت میں کچھ حصہ مل جائے تاکہ وہ آپنی کھوئی ہوئی اس

سیاسی طاقت کی تلافی کرسکیں جو اسلام آنے کے بعد ان کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ ان میں سب سے آگے آگے ابو سفیان تھا اور حاکم جماعت (یعنی ابوبکر اور ان کے ساتھی) کو بنی امیہ کی مخالفت خاص طور سے ابوسفیان کی دھمکیوں اور اس کو پیغمبر اکرم نے اموال جمع کرنے کے لئے جس سفر پر بھیجا تھا اس سے واپسی پر اس نے ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی جو دھمکی دی تھی انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی، کیونکہ وہ بنی امیہ کی فطری دولت پرستی سے بخوبی واقف تھے اور اس طرح بنی امیہ کو حکومت کی طرف جھکانا بہت آسان تھا جیسا کہ ابوبکر نے یہی کیا تھا کہ انہوں نے اپنے بلکہ (ایک نقل کے مطابق) عمر نے ان کے لئے یہ جائز کردیا تھا کہ مسلمانوں کے جو اموال اور زکات ابوسفیان کے پاس ہیں انہیں اسی کے حوالہ کردیا جائے اور اس کے علاوہ بھی بنی امیہ کے لئے حکومت کے کئی اہم دروازوں سے کچھ حصے مخصوص کردئے گئے۔

۳- بنی ہاشم اور ان کے قریبی چاہنے والے: جیسے جناب سلمان، ابوذر، مقداد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جو یہ سمجھتے تھے کہ فطری اور سیاسی اعتبار سے ہاشمی گھرانہ ہی پیغمبر اکرم کا اصل وارث ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حاکم طبقہ کو انصار اور بنی امیہ کے ساتھ رکھ رکھاؤ اور ان سے امتیاز حاصل کرنے میں کسی طرح کامیابی ملی۔ لیکن اسی کامیابی نے اسے ایک واضح سیاسی ٹکراؤ سے دوچار کردیا کیونکہ سقیفہ کے حالات کا تقاضا تو یہی تھا کہ حاکم طبقہ رسول اللہ کی قرابت کو مسئلہ خلافت کی اہم گوٹ قرار دے دے اور دینی قیادت کے لئے وراثت کے راستہ کو پختہ کردے لیکن سقیفہ کے بعد یہ صورت حال یکسر تبدیل ہوگئی اور اس مسئلہ نے اس انداز سے دوسرا رنگ اختیار کرلیا کہ اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرابت کی وجہ سے آپ کی خلافت کے لئے قریش تمام عربوں سے اولیٰ ہیں تو بنی ہاشم بقیہ قریش کے مقابلہ میں اس کے زیادہ سزاوار اور مستحق ہیں۔

اس کا اعلان حضرت علی (علیہ السلام) نے ان الفاظ میں کیا تھا: جب ان کے اوپر مہاجرین نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرابت کو حجت بنا کر پیش کیا تھا تو یہی پہلو مہاجرین کے اوپر ہماری حجت ہے اور اگر ان کی دلیل ناقص ہو جائے تو بھی ہمارے پاس دلیل موجود ہے نہ کہ ان کے لئے ورنہ انصار کا مطالبہ آپنی جگہ پر باقی ہے۔

اسی بات کی وضاحت جناب عباس نے حضرت ابوبکر سے آپنی ایک گفتگو میں اس طرح فرمائی ہے: اور تمہارا یہ کہنا کہ ہم رسول اللہ کے شجرہ سے ہیں ” تو پھر ”تم تو اس شجرہ کے پڑوسی ہو اور ہم اس کی شاخیں ہیں۔“

نیز حضرت علی (علیہ السلام) کو معلوم تھا کہ حاکم طبقہ کے دلوں میں موجودہ دہشت کی بنیاد بنی ہاشم کی مخالفت ہے کیونکہ ان کے مخصوص حالات اور (وسائل) اس نو مولود حکومت کے خلاف دو مثبت پہلوؤں سے مددگار ثابت ہوں گے۔

۱- حکومت کی دشمن پارٹیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے جیسے بنی امیہ اور مغیرہ بنی شعبہ وغیرہ جنہوں نے آپنی حمایت کی نیلامی کی بولی لگانا شروع کردی تھی اور وہ ہر رخ کو نظر میں رکھ کر اس کی بھاری سے بھاری قیمت وصول کرنا چاہتے تھے، جس کا پتہ ہمیں ابو سفیان کی اس بات سے لگتا ہے جو اس نے مدینہ پہنچتے ہی سقیفائی خلافت کے سامنے رکھی تھی، نیز اس نے حضرت علی (علیہ السلام) کو اکسانے کی کوشش کی اور جب خلیفہ نے اسے مسلمانوں کے وہ تمام اموال بخش دئے جنہیں وہ اپنے سفر کے دوران وصول کرکے لایا تھا

تو پھر وہ خلیفہ کی طرف جھک گیا کیونکہ اس زمانہ میں عام طور سے لوگوں کی ایک جماعت کے اوپر زرپرستی کا غلبہ تھا۔

اور یہ واضح ہے کہ رسول اللہ نے جو خمس، یا مدینہ کی اراضی کے غلات یا فدک جیسے سرمائے چھوڑے تھے اور ان کی ایک بڑی آمدنی تھی حضرت علی (علیہ السلام) ان کے ذریعہ ان تمام لوگوں کے منہ بند کرسکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حضرت علی (علیہ السلام) کے پاس ان کے مقابلہ کے لئے آسان حربہ یہ تھا جس کی طرف آپ نے خود بھی یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے: ”احتجوا بالشجرة و اضاعوا الثمرة“ انہوں نے شجرہ (پیڑ) کو تو حجت بنا لیا مگر اس کے پہل کو ضائع کر ڈالا۔ یعنی چونکہ اس وقت رائے عامہ اہل بیت (علیہم السلام) کی تقدیس اور ان کے احترام کے بارے میں متفق تھی اور انہیں رسول اللہ کی قرابتداری کی بنا پر ایک خاص امتیاز حاصل تھا اور یہی ان کی مخالفت کے برحق ہونے کی ایک مضبوط سند تھی۔

برسر اقتدار پارٹی کے اقدامات

پہلا اقدام؛ حضرت علی (علیہ السلام) کی مالی قوت کمزور کرنا

بر سر اقتدار طبقہ کے سامنے بڑی سخت صورتحال پیدا ہوگئی تھی کیونکہ اسلامی مملکت کے جن ثروتمند طبقوں سے حکومت کا خزانہ چلتا تھا انہوں نے اس وقت تک نئی حکومت کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا

جب تک کہ خود مدینہ کے اندر اس کی پوزیشن مستحکم نہ ہو جائے، اور مدینہ والے سو فیصد اس کے اوپر متفق نہیں ہوسکتے تھے، کیونکہ مثلاً اگر ابو سفیان یا اس جیسے لوگوں نے اگرچہ باقاعدہ سودے بازی کر کے حکومت کی حمایت کی تھی مگر پھر بھی یہ ممکن تھا کہ کل اگر کوئی دوسرا انہیں اس سے زیادہ مال کی پیش کش کرتا تو وہ پرانا سودا ختم کردیتے اور یہ کام حضرت علی (علیہ السلام) کے لئے ہر وقت آسان تھا، تو جب یہ صورتحال تھی، تو اس وقت حضرت علی (علیہ السلام) سے ان کی مالی طاقت ختم کرنا حکومت کے لئے یقیناً ضروری تھا کیونکہ وہ اس وقت تو مقابلہ کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ مگر ان کا سرمایہ جو کسی بھی وقت بر سر اقتدار طبقہ کے مصالح کو خطرات سے دوچار کرسکتا تھا تاکہ اس کے ذریعہ انصار حکومت کی حمایت پر باقی رہیں اور اس کے مخالفین اہل حرص و طمع لوگوں کو ایک

پلیٹ فارم پر جمع کر کے ایک پارٹی کی شکل میں ان کے مقابلہ کے لئے سر ابھارنے کے لائق نہ رہ جائیں۔ اس تجزیہ کو بر سر اقتدار طبقہ کی سیاست سے بعید قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ تجزیہ ان کی اس سیاست کے عین مطابق ہے جس کے بغیر ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا اور خاص طور سے جب کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ابوبکر نے بنی امیہ کو اس وقت دولت و حکومت دونوں کے ذریعہ خرید لیا تھا جب ابو سفیان کے بیٹے کو گورنر بنایا تھا جیسا کہ روایت میں ہے کہ جب ابوبکر خلیفہ بنائے گئے تو ابو سفیان نے کہا: ہمیں اور ابو فصیل کو کیا ملے گا؟ کہ وہ بھی اولاد عبد مناف میں سے ہے، تو اسے یہ جواب دیا گیا، اس نے تمہارے بیٹے کو گورنری دے دی ہے تو اس نے کہا تم نے صلہ رحم کیا ہے۔

دوسرا اقدام؛ امام(علیہ السلام) کی مخالفت کا سامنا

بر سر اقتدار طبقہ اس کشمکش میں پڑ گیا کہ دوسرے پلیٹ فارم کا سامنا کس طرح کیا جائے اور اس کے مقابلہ کے لئے مندرجہ ذیل دو صورتوں میں سے کون سا طریقہ کار زیادہ مستحکم رہے گا؟-

۱- رسول اکرم(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرابت داری کو کوئی اہمیت نہ دی جائے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ابوبکر کی خلافت کے اوپر سے وہ شرعی لبادہ اتار دیا جائے جو اس نے سقیفہ کے دن زیب تن کیا تھا۔

۲- آپنی ہی بات کاٹ کر خود آپنی مخالفت کر بیٹھیں یعنی سقیفہ میں جن چیزوں کا اعلان کیا گیا ہے ان پر ثابت قدم رہیں لیکن بنی ہاشم کو کسی قسم کا کوئی حق اور امتیاز نہ دیا جائے اور اگر انہیں کوئی رعایت دی بھی جائے تو وہ ایسی ہو کہ ان لوگوں نے جو حکومت تیار کی ہے اور اس بارے میں جو معاہدے ہوئے ہیں اس سے ان کے ٹکراؤ کا کوئی امکان نہ ہو اور جب ایسا ہوگا تو پھر کوئی بھی بنی ہاشم کی مدد نہیں کرے گا۔ چنانچہ اقتدار پر قابض طبقہ نے یہی ترجیح دی کہ انصار کی میٹنگ میں انہوں نے جن نظریات کی ترویج کی تھی انہیں کو مزید مستحکم بنایا جائے اور آپنے مخالفوں پر یہ اعتراض کر دیا جائے کہ خلیفہ کی بیعت کے بعد ان لوگوں کی مخالفت صرف ایک نیا فتنہ ہے جو اسلام میں حرام ہے۔

آل محمد(علیہم السلام) کے مقابلہ کے لئے دوسرے عملی اقدامات

جب ہم سلاطین سقیفہ کی سیاست پر مزید غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے آپنے اقتصادیات مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ شروع سے ہی آل محمد(علیہم السلام) کے مقابلہ میں ایک خاص قسم کی سیاست آپنائے رکھی تاکہ اس طرز فکر پر کنٹرول کیا جاسکے جس کی پشت پناہی کی بنا پر بنی ہاشم ان کی مخالفت پر کمر بستہ تھے جس طرح کہ انہوں نے آپنی مخالفت کا ہی گلا گھونٹ دیا تھا۔ اور یہ سب اس کے باوجود تھا کہ جب بنی ہاشم رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے۔

ہم اس سیاست کا اس طرح تجزیہ کرسکتے ہیں کہ اس سیاست کا اصلی مقصد ہاشمی گھرانہ کی تمام مراعات کو ختم کر کے ان کے تمام چاہنے والے مخلصوں کو اہم حکومتی عہدوں سے دور رکھنا تھا اور مسلمانوں کے درمیان ان کی جو قدر و منزلت تھی اسے بالکل ختم کر دینا تھا چنانچہ ہمارے اس نظریہ کی تائید مندرجہ ذیل تاریخی حادثات سے ہوتی ہے۔

۱- حضرت علی(علیہ السلام) کے ساتھ خلیفہ اور ان کے ہمنواؤں کا بیحد سخت رویہ حتیٰ کہ عمر کی یہ دھمکی کہ ان کے گھر کو آگ لگا کر جلا دیا جائے گا چاہے اس کے اندر فاطمہ(سلام اللہ علیہا) ہی کیوں نہ ہوں! جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ چاہے جناب فاطمہ(سلام اللہ علیہا) یا بنی ہاشم کی اور کوئی محترم شخصیت ہی کیوں نہ ہو اس کا احترام ان کے راستہ میں حائل نہیں ہوسکتا اور وہ اس کے ساتھ بھی بالکل ویسا ہی سلوک کریں گے جو سقیفہ کے دن سعد بن عبادہ کے ساتھ کیا تھا لوگوں کو ان کے قتل کرنے کا حکم تک دے دیا تھا اور اس تشدد کی ایک اور شکل، حضرت علی(علیہ السلام) کے بارے میں خلیفہ کا یہ کہنا ہے کہ وہی سارے فتنہ کی جڑ ہیں یا ان کی یہ مثال دینا کہ وہ ایک لومڑی کی طرح ہیں(معاذ اللہ) یا عمر نے حضرت علی(علیہ السلام)

سے یہ کہا تھا: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم میں سے اور تم میں سے ہیں۔

۲- خلیفہ اول نے کسی بھی ہاشمی کو حکومت کے کسی اہم کام میں دخیل نہیں ہونے دیا اور نہ ہی ان کو اتنی وسیع مملکت اسلامیہ کی کسی ایک بالشت زمین کا حاکم (گورنر) بنایا جب کہ بنی امیہ کا اس میں ایک وافر حصہ تھا بلکہ خلیفہ دوم اور ابن عباس کی گفتگو سے ہم بآسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سب ایک سوچی سمجھی سیاست کے تحت کیا گیا تھا جب انہوں نے ان کو ”حمص“ کا گورنر بنایا تو اس خوف کا اظہار کیا تھا کہ اگر بنی ہاشم اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں کے حاکم ہو گئے اور اسی دوران خلیفہ کا انتقال ہو گیا تو اس سے خلافت کی بری طرح کایا پلٹ ہوسکتی ہے جو انہیں ہرگز پسند نہیں ہے۔

۳- خلیفہ اول کا خالد بن سعید بن عاص کو فتح شام کے لئے بھیجے جانے والے لشکر کی سپہ سالاری سے معزول کرنا جس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں تھی

کہ عمر نے خالد کے ہاشمیوں اور اہل بیت (علیہم السلام) پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ان کے رجحان اور وفات پیغمبر کے بعد ان کے بارے میں ان کے دوستانہ رویہ کی وجہ سے خلیفہ اول کے کان بھر دئے تھے۔

مختصر یہ کہ برسر اقتدار طبقہ کی ساری کوشش یہ تھی کہ بنی ہاشم اور دوسرے تمام مسلمانوں کو ہر لحاظ سے ایک صف میں کھڑا کر دیا جائے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ان کو جو خاص نسبت ہے اس کی اہمیت کو ختم کر دیا جائے تاکہ اس طرز تفکر کا خاتمہ ہو جائے جس کے بل بوتے پر بنی ہاشم کی مخالفت میں سارا زور ہے اور حتیٰ کہ اگر ارباب خلافت کو یہ اطمینان بھی ہوتا کہ حضرت علی (علیہ السلام) اس وقت اسلام کو درپیش خطرات کے پیش نظر ان کے خلاف انقلاب برپا نہیں کریں گے مگر اس کے باوجود ان کا دل اس طرف سے ہرگز مطمئن نہیں تھا کہ وہ کسی بھی وقت ان کے خلاف قیام کرسکتے ہیں، لہذا یہ ایک فطری تقاضا تھا کہ جب تک سکون کا ماحول ہے اور اس سے پہلے کہ آپ ان کے خلاف انہیں نگل جانے والی مہم شروع کرے وہ آپ کی مادی طاقت (فدک) اور معنوی طاقت (خلافت) پر آپنا کنٹرول قائم کرلیں۔

۴- لہذا اس کے بعد یہ ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ خلیفہ وہ تاریخی حکم صادر کردیں جو حق جناب فاطمہ (س) یا ”قصہ فدک“ کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ ایسا ہتھکنڈہ تھا جس سے خلافت کے دونوں سیاسی منصوبے ایک ساتھ پورے ہو گئے کیونکہ جن اسباب کی بنا پر انہوں نے اپنے کارندے بھیج کر جناب فاطمہ (س) سے فدک کا علاقہ چھینا تھا ان کا تقاضا یہی تھا کہ اپنے مخالف سے اس کی وہ دولت چھین لی جائے جو اس دور کے لحاظ سے ایک مضبوط اسلحہ تھا اور اس کی بنا پر ان کی حکومت کو ہر لمحہ خطرہ لاحق رہتا، ورنہ اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو انہیں فدک جناب فاطمہ (س) کے حوالہ کرنے میں کون سی پریشانی تھی کہ جب آپ نے ان سے یہ پختہ وعدہ کر لیا تھا کہ آپ اس کی آمدنی کو صرف کارخیر اور عوام کی بھلائی کے راستوں میں خرچ کریں گی؟ مگر کیا کیا جائے کہ خلیفہ کو یہ ڈر تھا کہ کہیں

وہ (معاذ اللہ) وعدہ خلافتی نہ کر بیٹھیں اور فدک کا کل سرمایہ سیاسی میدان میں پانی کی طرح نہ بہا دیا جائے اور مزید یہ کہ اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ فدک مسلمانوں کا حق تھا تو انہوں نے جناب فاطمہ (س) کو اس میں سے ان کا وہ حق کیوں نہیں دیا جو تمام صحابہ کو دیا گیا تھا؟ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی خلافت کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔

نیز یہ کہ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ جناب فاطمہ (س) اپنے شوہر نامدار کی حقانیت کی ایک زندہ دلیل تھیں اور حضرت علی (علیہ السلام) کے چاہنے والے آپ کو باقاعدہ ایک زندہ سند کے طور پر پیش کرتے تھے اس سے ہمارے لئے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ فدک سے متعلق حضرت فاطمہ (س) کے دعوے کے مقابلہ میں خلیفہ کی پوری کوشش یہی تھی کہ وہ اپنے سیاسی منصوبہ کے تحت بالکل اسی راستے پر چلتے رہیں جس پر چلنا اس وقت کا تقاضا تھا، چنانچہ خلیفہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور نہایت زیرکی کے ساتھ بالواسطہ انداز میں عام مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ جناب فاطمہ (س) عام عورتوں کی طرح ایک خاتون ہیں لہذا فدک جیسے عام معاملات میں ان کی رائے یا ان کا دعویٰ قبول کرنا صحیح نہیں ہے چہ جائے کہ خلافت جیسے اہم مسئلہ میں؟!

اور جب وہ ایک ایسی زمین کا مطالبہ کرسکتی ہیں جو ان کا حق نہیں ہے تو پھر عین ممکن ہے کہ وہ آئندہ اپنے شوہر کے لئے پوری مملکت اسلامیہ کا مطالبہ کر بیٹھیں جب کہ وہ اس کے حقدار نہیں ہیں۔
۳- فدک نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کے درمیان:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **﴿فَاتَ ذَا الْقَرْهَىٰ حَقَّهُ وَ الْمَسْكِينِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ ذَلِكْ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَ اُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾**

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اس آیت میں خداوند عالم نے نبی اکرم کو یہ حکم دیا ہے کہ قرابتداروں کو ان کا حق دے دیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے قرابتدار کون لوگ ہیں؟ اور ان کا حق کیا ہے؟

تو اس بارے میں مفسرین کا اتفاق ہے کہ قرابتداروں سے آپ کے قریبی رشتہ دار یعنی حضرت علی (علیہ السلام) فاطمہ (س) اور حسن (علیہ السلام) و حسین (علیہ السلام) مراد ہیں، جس کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ کے قرابتداروں کو ان کا حق دے دیجئے۔

سیوطی کی تفسیر در المنثور میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ: جب یہ آیت (فَاتَ ذَا الْقَرْهَى حَقَّهُ) نازل ہوئی تو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ نے جناب فاطمہ (س) کو بلایا اور انہیں فدک عطا کر دیا۔ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے کہ عمر نے کہا: میں تمہیں اس امر کے بارے میں بتائے دیتا ہوں کہ خداوند عالم نے یہ حصہ اپنے پیغمبر کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور اس میں سے ان کے علاوہ کسی کو کچھ بھی نہیں دیا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: **﴿وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أُوجِفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَ لَا رِكَابٍ وَ لَكِنَّ اللَّهَ يَسْلُطُ --﴾** اس طرح یہ (یعنی فدک) صرف اور صرف رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حق تھا۔

تاریخی اسناد سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ فدک جناب فاطمہ (س) کے قبضہ میں اور آپ کے زیر تصرف تھا، نیز فدک کے آل رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قبضہ میں ہونے کی ایک بہترین دلیل حضرت علی (علیہ السلام) کا وہ خط بھی ہے جو آپ نے بصرہ میں اپنے گورنر عثمان بن حنیف کے نام لکھا تھا جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے: **﴿بَلَىٰ كَأَن تَفِيءُ يَدُكَ فِي الْأَيْدِيْنَ فَدَكَ مِنْ كُلِّ مَا أَظْلَمَ السَّمَاءُ فَشَحَّتْ عَلَيْهَا نَفُوسُ قَوْمٍ وَ سَخَتْ عَنْهَا نَفُوسُ قَوْمٍ آخَرِينَ، وَ نَعَمَ الْحُكْمُ لِلَّهِ --﴾**

”آسمان کے نیچے ہمارے پاس کل ایک فدک ہی تھا جس پر ایک قوم کے کچھ لوگوں کی رال ٹپک گئی اور دوسرے لوگ اس کی وجہ سے ناراض ہو گئے اور بہترین قاضی اللہ ہے۔“

بعض روایات میں اس طرح کا اشارہ ہے کہ جب ابوبکر کی حکومت مضبوط ہوگئی تو انہوں نے جناب فاطمہ (س) سے فدک چھین لیا جس کے معنی یہ ہیں کہ پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ سے ہی فدک حضرت فاطمہ (س) کے قبضہ اور آپ کے تصرف میں تھا اور خلیفہ اول نے اسے آپ سے چھین لیا تھا۔ علامہ مجلسی کی روایات میں ہے: فدک پر قبضہ ہونے کے بعد جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ پہنچے تو جناب فاطمہ (س) کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: ”یا بنیۃ انّ اللہ قد افاء علی ابیک بفدک و اختصّ بہا، فہی لہ خاصۃ دون المسلمین، افعّل بہا ما اشاء و انّہ قد کان لأمک خدیجۃ علی ابیک مہر، انّ اباک قد جعلہا لک بذلک، وانّحلہا لک ولولدک بعدک“

اے بیٹی! خداوند عالم نے تمہارے بابا کو فدک عطا فرمایا ہے اور اسے ان کے لئے مخصوص کر دیا ہے لہذا وہ صرف انہیں کا حق ہے نہ کہ مسلمانوں کا، مجھے اس کے بارے میں ہر طرح کا اختیار ہے اور چونکہ تمہارے بابا پر تمہاری والدہ خدیجہ کا مہر تھا لہذا تمہارے بابا نے ان کے بدلے یہ تمہیں دے دیا ہے اور اسے تمہارے لئے اور تمہارے بعد تمہاری اولاد کے لئے اپنی طرف سے عطیہ قرار دیا ہے۔

پھر آپ نے ایک کھال منگائی اور حضرت علی (علیہ السلام) کو طلب کر کے ان سے فرمایا: ”اُکتب لفاطمۃ بفدک نحلۃ من رسول اللہ“ فاطمہ (س) کے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہبہ نامہ لکھ دو ” پھر اس کے اوپر حضرت علی (علیہ السلام) اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خادم نیز ام ایمن نے گواہی دی۔

۴- غصب فدک

جب رسول اکرم کی وفات ہوگئی، ابوبکر خلافت نشین ہو گئے اور دس دن گزرنے کے بعد ان کی پوزیشن مضبوط ہوگئی تو انہوں نے اپنے کارندوں کو بھیج کر فدک سے جناب فاطمہ (س) کے وکیل کو باہر نکلوا دیا۔ روایت میں ہے کہ جناب فاطمہ (س) نے کسی کو خلیفہ کے پاس بھیج کر ان سے یہ پوچھا: تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وارث ہو یا ان کے گھر والے؟ تو انہوں نے کہا: ان کے گھر والے، تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حصہ (میراث) کیا ہوا؟ تو خلیفہ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ”انّ اللہ اطعم نبیہ طعمۃ“ ”بیشک خداوند عالم نے آپنے نہیں کو (ان) کا رزق) کھلا دیا پھر ان کی روح قبض کر لی اور اسے اس کے لئے قرار دے دیا جو ان کی جگہ خلیفہ بنا ہو لہذا میں ان کے بعد خلیفہ ہوں تاکہ اسے مسلمانوں کو واپس پلٹا دوں۔

ام المومنین عائشہ سے روایت ہے کہ شہزادی کائنات نے کسی کو بھیج کر خلیفہ سے پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی میراث کا مطالبہ کیا جس میں مدینہ میں موجود پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام ملکیتوں کے علاوہ فدک اور خیبر کے باقی ماندہ خمس کا مطالبہ کیا تھا، تو خلیفہ نے کہا کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے: ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہیں بلکہ ہم جو چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہے اور بیشک آل محمد (علیہم السلام) اس مال سے کچھ نہیں کھا سکتے ہیں۔

اور (خدا کی قسم) میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صدقات میں سے کسی چیز کو تبدیل نہیں کر سکتا ہوں بلکہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں جس طرح تھے ان کو اسی طرح رہنے دوں گا اور اس کا وہی مصرف کروں گا جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ابوبکر نے ان میں سے کچھ بھی فاطمہ (س) کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت علی (علیہ السلام) نے جناب فاطمہ (س) سے کہا: ”انطلقی

فاطمہ میراثک من اَبیک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فجاءت الی اُہی بکر و قالت: لم تمنعنی میراثی من اُہی رسول اللہ؟ و اُخرجت وکیلی من فدک و قد هجعلها لی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بأمر اللہ تعالیٰ؟“ جاو آپنے بابا کی میراث میں سے آپنے حق کا مطالبہ کرو تو آپ ابوبکر کے پاس گئیں اور ان سے کہا: تم نے میرے بابا کی میراث سے مجھے کیوں محروم کر دیا ہے؟ اور میرے کارندوں کو فدک سے کیوں نکال دیا؟ جب کہ مجھے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خدا کے حکم سے عنایت فرمایا تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ آپ حق کے سوا کچھ نہیں کہہ رہی ہیں لیکن آپ اس کے لئے گواہ پیش کریں، تو ام ایمن آئیں اور انہوں نے خلیفہ سے کہا: اے ابوبکر میں اس وقت تک گواہی نہ دوں گی جب تک تمہارے سامنے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قول سے حجت تمام نہ کر دوں میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ بتاؤ کیا تمہیں معلوم کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ فرمایا ہے: ام ایمن اہل جنت کی خواتین میں سے ہیں“ تو خلیفہ نے جواب دیا ہاں یہی فرمایا تھا تو وہ بولیں، تو اب میں یہ گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ تاکید فرمائی **﴿فَاتِذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّه﴾** تو آپ نے فدک کا علاقہ فاطمہ (س) کو بخش دیا اور پھر علی (علیہ السلام) نے بھی یہی گواہی دی، تو ابوبکر نے ایک نوشتہ لکھ کر اسے آپ کے حوالہ کر دیا اتنے میں عمر آگئے اور بولے یہ نوشتہ کیسا ہے؟

تو خلیفہ اول نے کہا کہ فاطمہ (س) نے فدک کا دعویٰ کیا تھا اور ام ایمن نیز علی (علیہ السلام) نے ان کے حق میں گواہی دی ہے لہذا میں نے ان کے لئے یہ نوشتہ لکھ دیا تو عمر نے اسے جناب فاطمہ (س) کے ہاتھ سے لے کر پہلے اس پر تھوکا اور پھر اسے پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا، تو شہزادی کائنات وہاں سے روتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ روایت میں ہے کہ ایک بار مولائے کائنات خلیفہ اول کے پاس گئے اس وقت وہ مسجد میں تھے تو آپ نے خلیفہ سے کہا: **”یا ابا بکر لِمَ منعت فاطمة میراثھا من رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) و قد ملکته فی حیاة رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)؟“** اے ابوبکر تم نے فاطمہ (س) کو او رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی میراث سے کیوں محروم کر دیا جب کہ وہ رسول اللہ کی زندگی سے ہی اس کی مالک تھیں؟“ تو ابوبکر بولے، یہ مسلمانوں کا حق ہے، لہذا اگر اس بارے میں گواہی پیش ہو جائے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فدک انہیں دے دیا تھا تو ٹھیک ہے ورنہ اس میں ان کا کوئی حق نہیں ہے تو مولائے کائنات (علیہ السلام) نے جواب دیا: **”یا ابا بکر اِ تحکم فینا بخلاف حکم اللہ فی المسلمین؟“** اے ابوبکر کیا تم ہمارے لئے مسلمانوں کے برعکس اللہ کا جو حکم ہے اس کے برخلاف فیصلہ کر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا نہیں تب آپ نے فرمایا: **”فان کان فی ید المسلمین شیء یملکونه، ثم ادّعیٰ انا فیہ، من تسأل البینة؟“** (تو یہ بتاؤ کہ) اگر کسی مسلمان کے ہاتھ میں کوئی چیز ہو اور میں اس کے اوپر دعویٰ کرنے لگوں تو تم کس سے گواہوں کا مطالبہ کرو گے؟ تو خلیفہ بولے تم سے گواہی پیش کرنے کا مطالبہ کرو گا۔ تو آپ نے فرمایا: **”فما بال فاطمة سألته البینة علی ما فی یدھا و قد ملکته فی حیاة رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) و بعدہ، و لم تسأل المسلمین بینة علی ما ادّعوا شهوداً کما سألتنی علی ما ادّعیٰ علیہم؟“**

”تو کیا وجہ ہے کہ جو چیز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی فاطمہ (س) کے قبضہ میں تھی اور وہ ان کی ملکیت بھی تھی تم ان سے گواہی پیش کرنے کو کہہ رہے ہو، اور جو مسلمان دعویٰ کر رہے ہیں ان سے کیوں گواہی طلب نہیں کرتے ہو؟ جیسا کہ تم نے میرے دعوے کے موقع پر مجھ سے گواہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا تھا! تو خلیفہ بالکل چپ رہ گئے۔ تو عمر نے کہا: اے علی (علیہ السلام)! ہمیں آپنی باتوں سے دور ہی رکھو! ہمارے اندر تمہاری حجتوں کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں ہے

اگر تم عادل گواہ لے آئے تو ٹھیک ورنہ وہ مسلمانوں کا حق ہے اور اس میں نہ تمہارا کوئی حق ہے اور نہ ہی فاطمہ (س) کا حق ہے۔

حضرت علی (علیہ السلام) نے کہا: ”یا ابوبکر تقراء کتاب اللہ؟“ اے ابوبکر کیا تم کتاب خدا کی تلاوت کرتے ہو؟ وہ بولے ہاں! آپ نے فرمایا: تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہ آیت >اَتَمَّا يَرِيْدُ اللّٰهُ لِيَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسُ اَهْلُ الْبَيْتِ وَ يَطَهِّرَكُمُ تَطْهِيراً< کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ ہماری شان میں یا ہمارے علاوہ کسی اور کی شان میں؟ کہنے لگے، تم لوگوں کے بارے میں، تو آپ نے فرمایا: ”فَلَوْ اَنَّ شَهْوَوْدًا شَهِدُوا عَلٰى فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ (صلى اللّٰه عليه وآله وسلم) بِفَاحِشَةٍ مَا كُنْتَ تَصْنَعُ بِهَا؟“ ذرا یہ بتاؤ کہ اگر چند گواہ تمہارے سامنے آکر پیغمبر اکرم (صلى اللّٰه عليه وآله وسلم) کی بیٹی فاطمہ (س) کے بارے میں کسی غلط بات کی گواہی دیں تو تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ تو ابوبکر نے کہا ان پر اسی طرح حد جاری کروں گا جس طرح دوسری مسلمان عورتوں پر حد جاری کرتا ہوں۔ تو مولائے کائنات (علیہم السلام) نے جواب دیا: ”كُنْتُ اِذْنُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ“ تب تو تم خدا کے نزدیک کافر ہو جاؤ گے وہ بولے کس لئے؟ آپ نے فرمایا: ”لَا تُكْ رَدِّدْتَ هَادَةَ اللّٰهِ بِالطَّهَارَةِ وَ قَبِلْتَ شَهَادَةَ النَّاسِ عَلَيْهَا، كَمَا رَدِّدْتَ حَكَمَ اللّٰهِ وَ حَكَمَ رَسُولِهِ اَنْ جَعَلَ لَهَا فِدْكَاً وَ زَعَمْتَ اَنْهَا فِيْءٌ لِّلْمُسْلِمِيْنَ، وَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صلى اللّٰه عليه وآله وسلم): الْبَيِّنَةُ عَلٰى مَنْ ادَّعٰى وَ الْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اُنْكَرَ“

اس لئے کہ تم نے ان کی طہارت و پاکدامنی کے بارے میں اللہ کی گواہی کو ٹھکرا دیا اور اس کے بالمقابل لوگوں کی گواہی مان لی، بالکل اسی طرح جس طرح تم نے فدک کے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی گواہی کو ٹھکرا دیا اور اپنے خیال خام میں اسے مسلمانوں کا حق قرار دے دیا۔ جب کہ رسول اللہ (صلى اللّٰه عليه وآله وسلم) نے فرمایا ہے کہ گواہی پیش کرنا اس کی ذمہ داری ہے جو مدّعی ہو اور قسم اس کے لئے ہے جو منکر ہے ”یہ سنکر لوگ چلانے لگے اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگے اور یہ کہنے لگے، خدا کی قسم علی (علیہ السلام) سچ کہہ رہے ہیں۔“

۵- مسجد نہی (صلى اللّٰه عليه وآله وسلم) میں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا خطبہ

جب شہزادی کو یہ اطلاع ملی کہ ارباب خلافت نے یہ طے کر لیا ہے کہ ان کو فدک سے محروم ہی رکھا جائے تو آپ نے مسجد میں جاکر آپنی مظلومیت کا اعلان کرنے اور لوگوں کے درمیان ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمانے کا پختہ ارادہ کر لیا چنانچہ پورے مدینہ اور اس کے اطراف میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ بضعة الرسول، ریحانہ پیغمبر (صلى اللّٰه عليه وآله وسلم) آپنے بابا کی مسجد میں خطبہ ارشاد فرمانے والی ہیں، یہ خبر پا کر آپ کا تاریخی خطبہ سننے کے لئے ہر طرف سے لوگ جوق در جوق مسجد نبوی میں پہنچنے لگے چنانچہ ہم سے عبد اللہ بن الحسن نے آپنے آبائے کرام کے ذریعہ سے اس خطاب کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

جب ابو بکر اور عمر نے مل کر جناب فاطمہ (س) سے فدک واپس نہ کرنے کا پختہ فیصلہ کر لیا اور آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے آپنی چادر سر پر اوڑپی، مقنعہ کو درست کیا، اور آپنے خاندان نیز بنی ہاشم کی خواتین کے حلقہ میں گھر سے باہر تشریف لائیں اس وقت آپ کی چادر کے گوشے زمین پر خط دے رہے تھے، اور آپ کے چلنے کا انداز بالکل رسول اللہ (صلى اللّٰه عليه وآله وسلم) کے انداز سے مشابہ تھا۔ یہاں تک کہ آپ (س) اس خلیفہ کے پاس پہنچ گئیں جو اس وقت مہاجرین و انصار کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے پھر آپ کے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا گیا اور آپ (س) اس کے پیچھے بیٹھ گئیں،

اس کے بعد آپ نے ایک ایسی آہ و فریاد کی کہ جس سے پورا مجمع دھل گیا اور ہر طرف گریہ کی آوازیں بلند

ہوگئیں اور مجلس پر لرزہ طاری ہوگیا، آپ نے تھوڑی دیر انتظار کیا یہاں تک کہ لوگوں کی ہچکیاں رک گئیں اور رونے کی آوازیں دہیمی پڑگئیں، آپ نے حمد و ثنائے الہی اور اس کے پیغمبر پر صلوات سے خطبہ کا آغاز کیا۔ جس سے لوگوں کی آواز گریہ دوبارہ بلند ہوگئی۔ جب سب خاموش ہوگئے تو آپ نے اپنے سلسلہ کلام کا دوبارہ یوں آغاز کیا:

الحمد لله على ما أنعم، و له الشكر على ما ألهم، و الثناء بما قدّم من عموم نعم ابتدأها، و سبوغ آلاء أسداها، و تمام مني أولاها، جمّ عن الاحصاء عددها، و نأى عن الجزاء أمدها، و تفاوت عن الادراك أبدها، و ندبهم لا ستزادتها بالشكر لاتصالها، و استحمد الى الخلائق باجزالها، و ثنى بالنذب الى أمثالها، و أشهد أن لا اله الا الله و حده لا شريك له، كلمة جعل الإخلاص تأويلها، و صمّن القلوب موصولها، و انار في التفكر معقولها۔ الممتنع من الأبصار رؤيته، و من الألسن صفته، و من الأوهام كيفيته، ابتدع الأشياء لا من شيء كان قبلها، أنشأها بلا احتذاء أمثلة امتثلها، كوّنّها بقدرته، و ذرأها بمشيئته، من غير حاجة منه الى تكوينها، و لا فائدة له في تصويرها، الا تثبيتاً لحكمته، و تنبيهاً على طاعته، اظهاراً لقدرته و تعبّداً لبريته اعزازاً لدعوته، ثم جعل الثواب على طاعته، و وضع العقاب على معصيته، زيادة لعباده عن نعمته، و حياشة لهم الى جنته۔ و أشهد أن ابي محمداً عبده و رسوله اختاره قبل أن أرسله، و سمّاه قبل أن اجتباها، و اصطفاها قبل أن ابتعثه، اذ الخلائق بالغيب مكنونة، و بستر الأهويل مصونة، و بنهاية العدم مقرونة، علماً من الله تعالى بمايل الأمور، و احاطة بحوادث الدهور، و معرفة بمواقع الأمور، ابتعثه الله اتماماً لأمره، و عزيمة على امضاء حكمه، انفاذاً لمقادير حتمه، فرائى الأمم فرقاً فى اديانها، عكفاً على نيرانها، عابدة لأوثانها، منكرة لله مع عرفانها۔ فأنازل الله بأبي محمّد(صلى الله عليه وآله وسلم) ظلّمها، و كشف عن القلوب بهمّها، و جلى عن الأبصار غمّمها، و قام فى الناس بالهداية، فأنقذهم من الغواية، و بصرهم من العماية، و هداهم الى الدين القيم، و دعاهم الى الطريق المستقيم۔

ثم قبضه الله اليه قبض رافة و اختيار، و رغبة و ايثار، فمحمّد(صلى الله عليه وآله وسلم) من تعب هذه الدار فى راحة، قد حفّ بالملائكة الأبرار، و رضوان الربّ الغفار، و مجاورة الملك الجبار، صلى الله على ابي نبيه، و امينه، و خيرته من الخلق وصفيه، و السلام عليه و رحمة الله و بركاته۔

ثم التفتت الى اهل المجلس و قالت: > انتم عباد الله نصب أمره و نهيه، و حملة دينه و وحيه، و امناء الله على أنفسكم، و بلغاؤه الى الامم، زعيم حق له فيكم، و عهد قدّمه اليكم، و بقية استخلفها عليكم، كتاب الله الناطق، و القرآن الصادق، و النور الساطع، و الضياء اللامع،

بينه بصائره، منكشفة سرائره، منجلية ظواهره، مغتبطة به اشياعه، قائداً الى الرضوان اتّباعه، مؤدّاً الى النجاة استماعه، به تنال حجج الله المنورة، و عزائمه المفسرة، و محارمه المحذرة، و بيناته الجالية، و براهينه الكافية، فضائله المندوبة، و رخصه الموهوبة، و شرائعه المكتوبة۔

فجعل الله الايمان تطهيراً لكم من الشرك، و الصلاة تنزيهاً لكم عن الكبر، و الزكاة تزكية للنفس، و نماء فى الرزق، و الصيام تثبيتاً للاخلاص، و الحجّ تشييداً للدين، و العدل: تنسيقاً للقلوب، و طاعتنا نظاماً للملة، و امامتنا اماناً للفرقة، و الجهاد عزّاً للاسلام، و الصبر معونة على استيجاب الأجر، و الأمر بالمعروف مصلحة للعامة، و برّ الوالدين و قاية من السخط، و صلة الأرحام منساة فى العمر و نماء للعدد، و القصاص حقناً للدماء و الوفاء بالنذر تعريضاً للمغفرة، و توفية المكايل و الموازين تغييراً للبخس، و النهى عن شرب الخمر تنزيهاً عن الرجس، و اجتناب القذف حجاباً عن اللعنة، و ترك السرقة ايجاباً للعفة، و حرّم الله الشرك اخلاصاً له بالربوبية۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ، وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ، أَطِيعُوا اللَّهَ فِيمَا أَمَرَكُمْ بِهِ وَنَهَاكُمْ عَنْهُ، فَإِنَّهُ يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ-

ثُمَّ قَالَتْ: أَيُّهَا النَّاسُ! اْعْلَمُوا أَنَّي فَاطِمَةُ وَأَبِي مُحَمَّدٍ، أَقُولُ عَوْدًا وَبَدْوًا، وَ لَا أَقُولُ مَا أَقُولُ غُلَطًا، وَ لَا أَفْعَلُ مَا أَفْعَلُ شَطَطًا >لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ>فَانْ تَعَزَّوْهُ وَ تَعْرِفُوهُ تَجِدُوهُ أَبِي دُونِ نَسَائِكُمْ، وَ أَخَا ابْنِ عَمِّي دُونَ رَجَالِكُمْ، وَ لِنَعْمِ الْمَعْرُوفِ إِلَيْهِ، فَبَلَّغِ الرِّسَالَةَ صَادِعًا بِالْإِنذَارَةِ مَائِلًا عَنْ مَدْرَجَةِ الْمُشْرِكِينَ، ضَارِبًا ثَبَجَهُمْ آخِذًا بِأَكْظَامِهِمْ دَاعِيًا إِلَى سَبِيلِ رَبِّهِ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ، يَجْفُ الْأَصْنَامَ وَ يَنْكُثُ الْهَامَ، حَتَّى انْهَزَمَ الْجَمْعُ وَ وَلَّوْا الدَّبَرَ، حَتَّى تَفْرَى اللَّيْلُ عَنْ صَبْحِهِ، وَ أَسْفَرَ الْحَقُّ عَنْ مُحْضِهِ، وَنَطَقَ زَعِيمُ الدِّينِ، وَ خَرَسَتْ شَقَاشِقُ الشَّيَاطِينِ، وَطَاحَ وَشِيظُ النِّفَاقِ، وَانْحَلَّتْ عَقْدُ الْكُفْرِ الشَّقَاقُ، وَ فَهُتُمْ بِكَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ فِي نَفَرٍ مِنَ الْبَيْضِ الْخِمَاصِ وَ كُنْتُمْ عَلَى شَفَا حَفْرَةٍ مِنَ النَّارِ، مَذْقَةً الشَّارِبِ وَ نَهْزَةً الطَّامِعِ، وَ قَبَسَةً الْعَجَلَانِ، وَ مَوْطِئَ الْأَقْدَامِ تَشْرَبُونَ الطَّرِيقَ، وَ تَفْتَاتُونَ الْقَدَّ الْأَذْلَةَ خَاسِئِينَ، تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِكُمْ، فَأَتَقَذَّكُمُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى بِمُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ)، بَعْدَ اللَّتَا وَ اللَّتَى، وَ بَعْدَ أَنْ مُنِيَ بِهِمُ الرِّجَالُ وَ ذُؤْبَانُ الْعَرَبِ، وَ مُرْدَةُ أَهْلِ الْكِتَابِ، كُلَّمَا أُوقِدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أُطْفِئَهَا اللَّهُ، أُوْنَجِمَ قَرْنُ الشَّيْطَانِ، أُوْفَعَّرَتْ فَاعِرَةٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَذَفَ أَخَاهُ فِي لَهَوَاتِهَا،

فَلَا يَنْكِفِي حَتَّى يَطَأَ جَنَاحَهَا بِأَخْمَصِهِ، وَ يَخْمَدُ لَهَبَهَا بِسَيْفِهِ، مَكْدُودًا فِي ذَاتِ اللَّهِ، مُجْتَهِدًا فِي أَمْرِ اللَّهِ، قَرِيبًا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ، سَيِّدًا فِي أَوْلِيَاءِ اللَّهِ، مُشَمَّرًا نَاصِحًا، مُجَدِّدًا كَاحِدًا، لَا تَأْخُذُهُ فِي اللَّهِ لَوْمَةٌ لَائِمٌ، وَ أَنْتُمْ فِي رِفَاقِهِ مِنَ الْعَيْشِ، وَ ادْعُونَ فَاكْهُونِ آمَنُونَ، تَتَرَبَّصُونَ بِنَا الدَّوَائِرِ وَ تَتَوَكَّفُونَ الْأَخْبَارَ وَ تَنْكُصُونَ عِنْدَ النَّزَالِ، وَ تَفْرُونَ مِنَ الْقِتَالِ-

فَلَمَّا اخْتَارَ اللَّهُ لِنَبِيِّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) دَارَ أَنْبِيَائِهِ وَمَأْوَى أَصْفِيَائِهِ ظَهَرَ فِيكُمْ حَسَكَةُ النِّفَاقِ، وَ سَمَلُ جِلْبَابِ الدِّينِ، وَ نَطَقَ كَاطِمُ الْغَاوِينَ، وَ نَبَغَ خَامِلُ الْأَقْلِيَّينِ، وَ هَدَرَ فَنِيْقُ الْمُبْطَلِينَ، فَخَطَرَ فِي عَرَصَاتِكُمْ، وَ أُطْلِعَ الشَّيْطَانُ رَأْسَهُ مِنْ مَغْرِزِهِ هَاتِفًا بِكُمْ فَأَلْفَاكُمْ لِدَعْوَتِهِ مُسْتَجِيبِينَ، وَلِلْغُرَةِ فِيهِ مَلَا حَظِينَ، ثُمَّ اسْتَنْهَضَكُمْ فَوَجَدَكُمْ خَافًا، وَأَحْشَمَكُمْ فَأَلْفَاكُمْ غَضَابًا، فَوَسَمْتُمْ غَيْرَ الْبَلْغِ، وَوَرَدْتُمْ غَيْرَ مَشْرِبِكُمْ، هَذَا وَالْعَهْدُ قَرِيبٌ، وَالْكَلِمُ رَحِيبٌ، وَالْجُرْحُ لَمَّا يَنْدَمِلُ، وَالرَّسُولُ لَمَّا يَقْبَرُ، ابْتِدَارًا زَعَمْتُمْ خَوْفَ الْفِتْنَةِ->إِلَّا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ<

فَهِيَهَاتَ مِنْكُمْ، وَكَيْفَ بِكُمْ، وَأَنْتَى تَوْفُكُونَ، وَكِتَابُ اللَّهِ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، أَمُورُهُ ظَاهِرَةٌ، وَأَحْكَامُهُ زَاهِرَةٌ، وَأَعْلَامُهُ بَاهِرَةٌ، وَأَعْلَامُهُ وَزَوَاجِرُهُ لَاحِظَةٌ، وَأَوَامِرُهُ وَاضِحَةٌ، وَقَدْ خَلَّفْتُمُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ، أَرْغَبُهُ عَنْهُ تَرِيدُونَ؟ أَمْ بِغَيْرِهِ تَحْكُمُونَ؟

>بُئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا<

> وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ السَّلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ<

ثُمَّ لَمْ تَلْبَثُوا إِلَّا رَبْتَ أَنْ تَسْكُنَ نِفْرَتُهَا وَيَسْلُسَ قِيَادُهَا، ثُمَّ أَخَذْتُمْ تَوْرُونَ وَقَدْتُمَا، وَتَهَيَّجُونَ جَمْرَتَهَا، وَتَسْتَجِيبُونَ لَهَاتِ الشَّيْطَانِ الْغَوِيَّ وَاطْفَاءَ أَنْوَارِ الدِّينِ الْجَلِيِّ، وَاهْمَالِ سُنَنِ النَّبِيِّ الصَّفِيِّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ)، تَشْرَبُونَ حَسَا فِي ارْتِغَاءٍ وَتَمْشُونَ لِأَهْلِهِ وَوُلْدِهِ فِي الْخِمَرَةِ وَالضَّرَاءِ وَنَصِيرٍ مِنْكُمْ عَلَى مِثْلِ حَزِّ الْمُدَى وَوَحْزِ السِّنَانِ فِي الْحِشَاءِ، وَأَنْتُمْ الْآنَ تَزْعُمُونَ: أَنْ لَا ارِثَ لَنَا، أَفَحَكْمُ الْجَاهِلِيَّةِ تَبْغُونَ؟ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حَكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ! أَمْ فَلَا تَعْلَمُونَ؟ بَلَى قَدْ تَجَلَّى لَكُمْ كَالشَّمْسِ الضَّاحِيَةُ: أَنَّي ابْنَتُهُ، أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ أَعْغَلَبَ عَلَى ارْتِي؟-

يَا بَنِي أَبِي فُحَافَةٍ أَفِي كِتَابِ اللَّهِ تَرِثُ أَبَاكَ وَلَا ارِثُ أَبِي؟ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا فَرِيًّا أَفْعَلَى عَمْدٍ تَرَكْتُمْ كِتَابَ اللَّهِ

ونبذتموه وراء ظهوركم؟ اذ يقول:

<وورث سليمان داود>، وقال فيما اقتص من خبر يحيى بن زكريا اذ قال: فهب لي من لدنك ولياً- يرثني و يرث من ال يعقوب-

وقال:<و اولوالارحام بعضهم اولى ببعض في كتاب الله> وقال:<يوصيكم الله في اولادكم للذكر مثل حظ

الانثيين> وقال:<ان ترك خيراً الوصية للوالدين و الاقربين بالمعروف حقاً على المتقين >

وزعمتم ان لاخطوة لي ولا ارث من ابي ولا رحم بيننا، افخصكم الله بآية اخرج ابي منها؟ ام هل تقولون: ان اهل ملتين لا يتوارثان؟ اولست انا و ابي من اهل ملّة واحدة؟ ام انتم اعلم بخصوص القرآن وعمومه من ابي وابن عمي؟-

فدونكها مخطومة مرحولة تلقاك يوم حشرِك، فنعم الحَكَمُ الله، والزعيم محمد(صلى الله عليه وآله وسلم)والموعد القيامة، وعند الساعة يخسر المبطلون، ولا ينفعكم اذتندمون، ولكل نباً مستقرّ وسوف تعلمون من يأتية عذاب يخزيه ويحلّ عليه عذاب مقيم <

ثم رمت بطرفها نحو الانصار فقالت: <يامعشرالنقبية واعداد الملّة وحصنة الاسلام، ماهذه الغميّة في حقّي والسنة عن ظلامتي؟ اماكان رسول الله(صلى الله عليه وآله وسلم) ابي يقول:<المرء يحفظ في ولده؟> سرعان ما احدثتم،وعجلان ذا اهالة ولكم طاقة بما اُحاول، وقوّة على ما اُطلب وازاول، اتقولون مات محمد(صلى الله عليه وآله وسلم)؟ فخطب جليل استوسع وهنه واستنهر فتقه وانفتق رتقه واطلمت الارض لغيبته، وكسفت الشمس والقمر،وانكدت النجوم لمصيبته و اكدت الامال و خسعت الجبال و اضيع الحريم وازيلت الحرمة عند مماته، فتلك والله النازلة الكبرى، والمصيبة العظمى، لامثلها نازلة، ولابائقة عاجلة، اعلن بها كتاب الله جلّ ثناؤه في افنيّتكم، ولقبه ما حلّ باُنبياء الله ورسله حكم فصل، وقضاء حتم:

<و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم و من ينقلب على عقبيه فلن يضرّ الله شيئا و سيجزي الله الشاكرين >

ايها بنى قبيلة اُهضم ثراث ابي؟ و انتم بمراي مني و مسمع و مُنّدي و مَجَمع، تلبسكم الدعوة، و تشملكم الحيرة، انتم ذوو العدد و العدة، و الاداة و القوة،

و عندكم السلاح و الجنة، توافيكم الدعوة فلا تجيبون، و تأتيكم الصرخة فلا تغيثون، وانتم موصوفون بالكِفاح، معروفون بالخير و الصلاح، و النخبة التي انتخبتم،والخيرة التي اختيرت لنا اهل البيت، قاتلتم العرب،و تحمّلتكم الكدّ و التعب،و ناطحتم الامم و كافحتم البهيم، لا نبرح او تبرحون، نأمركم فتأتمرون حتّى اذا دارت بنا رحى الاسلام، و درّ حلب الأيام، و خصعت ثغرة الشّرك، و سكنت فورة الافك، و خمدت نيران الكفر، و هدأت دعوة الهرج، واستوسق نظام الدّين، فأنى حزتم بعد البيان؟ و اسررتم بعد الاعلان؟ و نکستم بعد الاقدام؟ و اشركتم بعد الايمان؟-

بؤساً لقوم نكثوا ايمانهم من بعد عهدهم، و همّوا باخراج الرّسول، و همّ بداؤكم أوّل مرّة، اتخشونهم فالله احقّ ان تخشوه ان كنتم مومنين الا و قد اري انقداخلدتم الى الخفض و ابعدتم من هو احقّ بالبسط و القبض، و خلوتم بالدعة و نجوتم بالصّيق من السعة، فمجتّم ما وعيتم، و دسعتم الذي تسوّغتم فانّ تكفروا انتم و من فى الارض جميعاً فانّ الله لغنى حميد-

ألا و قد قلت ما قلت هذا على معرفة منى بالخذلة التي خامرتكم و الغدرة التي استشعرتها قلوبكم، و لكنّها قضيّة النفس و نفثة الغيظ، و خور القناة و بثّة الصدر و تقدمة الحجة، فدونكموها فاحتجبوها دبرة الظّهر، نقبة

الخُفّ باقية العار، موسومةً بغضب الجبّار و شنار الأبد، موصولة بنار الله الموقدة، التي تطلّع على الأفئدة، فبعين الله ما تفعلون >و سيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون <- و أنا ابنة نذير لكم بين يدي عذاب شديد فاعملوا اتّاملون، و انتظروا اتّا منتظرون <-

>سبحان الله ما كان أبى رسول الله(صلى الله عليه وآله وسلم) عن كتاب الله صادفاً ولا لأحكامه مخالفاً! بل كان يتّبع أثره، و يقفو سوره، افتجمعون الى الغدر اعتلاّ عليه بالزور، و هذا بعد وفاته شبیه بما بُغى له من الغوائل فى حياته، هذا كتاب الله حكماً عدلاً، و ناطقاً فصلاً يقول: >يرثنى و يرث من آل يعقوب< و يقول: >و ورث سليمان داود< و بين عزوجلّ فيما وّزع من الأقساط، و شرع من الفرائض و الميراث، و أباح من حظّ الذُكران و الاناث ما أزاح به علّة المبطلين، أزال التنظّى و الشبهات فى الغابرين، كلّا بل سوّلت لكم انفسكم امرأً فصبرٌ جميل و الله المستعان على ما تصفون<-

>ثمّ التفتت فاطمة() الى الناس و قالت: >معاشر المسلمين المسرعة الى قيل الباطل، المغضية على الفعل القبيح الخاسر، أفلا تتدبّرون القرآن أم على قلوب أقفالها؟
كلّا بل ران على قلوبكم ما أسأتتم من أعمالكم- فاخذ بسمعكم و أبصاركم و لبئس ما تأوّلتم، و ساء ما به أشرتتم، و شرّ ما منه اغتصبتتم، لتجدنّ و الله محمله ثقيلاً، و غبّه وبيلاً، اذا كشف لكم الغطاء و بان ما واره الضراء و بدا لكم من ربّكم ما لم تكونوا تحتسبون >و خسر هُنالك المبطلون <-
ثم عطفت على قبر النبي(صلى الله عليه وآله وسلم) و قالت:

قد كان بعدك أنباء وهنبثة
لو كنت شاهدها لم تكثر الخطب
اتّا فقد ناك فقد الأرض و ابلها
و اختلّ قومك فاشهدهم و لا تغب
و كلّ أهل له قري و منزلة
عند الاله على الأدنين مقرب
أبدت رجال لنا نجوى صدورهم
لما مضيت و حالت دونك الترب
تجهمتنا رجال و استخفّ بنا
لما فقدت و كل الأرض مغتصب
و كنت بدرأ و نوراً يستضاء به
عليك ينزل من ذى العزة الكتب
و كان جبريل بالآيات يؤنسنا
فقد فقدت و كل الخير محتجب
فليت قبلك كان الموت صادفنا
لما مضيت و حالت دونك الكتب

ترجمہ :ساری تعریف اللہ کے لئے ہے اس کے انعام پر اور اس کا شکر ہے اس کے الہام پر۔ وہ قابل ثنا ہے کہ اس نے بے طلب نعمتیں دیں اور مکمل نعمتیں دیں اور مسلسل احسانات کئے جو ہر شمار سے (۱)بالاتر ہر

معاوضہ سے بعید تر اور ہر ادراک سے بلند تر ہیں۔

بندوں کو دعوت دی کہ شکر کے ذریعہ نعمتوں میں اضافہ کرائیں پھر ان نعمتوں کو مکمل کر کے مزید حمد کا مطالبہ کیا اور انہیں دھرایا۔ میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا وحدہ لا شریک ہے اور اس کلمہ کی اصل اخلاص ہے،

اس کے معنی دلوسے پیوست ہیں۔ اس کا مفہوم فکر کو روشنی دیتا ہے۔ وہ خدا وہ ہے کہ آنکھوں سے جس کی رویت، زبان سے تعریف اور خیال سے کیفیت کا بیان محال ہے۔ اس نے چیزوں کو بلا کسی مادہ اور نمونہ کے پیدا کیا ہے صرف اپنی قدرت اور مشیت کے ذریعہ، اسے نہ تخلیق کے لئے نمونہ کی ضرورت تھی، نہ تصویر میکوئی فائدہ تھا سوائے اس کے کہ اپنی حکمت کو مستحکم کر دے اور لوگ اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اس کی قدرت کا اظہار ہو اور بندے اس کی بندگی کا اقرار کریں۔ وہ تقاضاۓ عبادت کرے تو اپنی دعوت کو تقویت دے۔ چونکہ اس نے اطاعت پر ثواب رکھا اور معصیت پر عذاب رکھا تاکہ لوگ اس کے غضب سے دور ہو اور جنت کی طرف کھنچ آئیں۔

میں شہادت دیتی ہوں کہ میرے والد حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور وہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جن کو بھیجنے سے پہلے چنا گیا اور بعثت سے پہلے منتخب کیا گیا۔ اس وقت جب مخلوقات پردہ غیب میں پوشیدہ اور حجاب عدم میں محفوظ اور انتہائے عدم سے مقرون تھیں آپ مسائل امور اور حوادث زمانہ اور مقدرات کی مکمل معرفت رکھتے تھے۔

اللہ نے آپ کو بھیجا تاکہ اس کے امر کی تکمیل کریں، حکمت کو جاری کریں اور حتمی مقررات کو نافذ کریمگر آپ نے دیکھا کہ امتیں مختلف ادیان میں تقسیم ہیں آگ کی پوجا، بتوں کی پرستش اور خدا کے جان بوجھ کر انکار میں مبتلا ہیں۔ آپ نے ظلمتوں کو روشن کیا، دل کی تاریکیوں کو مٹایا، آنکھوں سے پردے اٹھائے، ہدایت کے لئے قیام کیا، لوگوں کو گمراہی سے نکالا، اندھے پن سے با بصیرت بنایا، دین قویم اور صراط مستقیم کی دعوت دی۔

اس کے بعد اللہ نے انتہائی شفقت و مہربانی اور رغبت کے ساتھ انہیں بلالیا اور اب وہ اس دنیا کے مصائب سے راحت میں ہیں، ان کے گرد ملائکہ ابرار اور رضائے الہی ہے اور سر پر رحمت خدا کا سایہ ہے خدا میرے اس باپ پر رحمت نازل کرے جو اس کا نبی، وحی کا امین، مخلوقات میں منتخب، مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مرتضیٰ (علیہ السلام) تھا۔

اس پر سلام و رحمت و برکت خدا ہو۔ بندگان خدا:

تم اس کے حکم کا مرکز، اس کے دین و وحی کے حامل، اپنے نفس پر اللہ کے امین، اور امتوں تک اس کے پیغام رساں ہو۔

تمہارا خیال ہے اس پر تمہارا کوئی حق ہے حالانکہ تم میں اس کا وہ عہد موجود ہے جسے اس نے بھیجا ہے اور بقیہ ہے جسے اپنی خلافت دی ہے۔

وہ خدا کی کتاب قرآن ناطق قرآن صادق، نور ساطع اور ضیاء روشن ہے جس کی بصیرتیں نمایاں اور اسرار واضح ہیں، ظواہر منور ہیں اور اس کا اتباع قابل رشک ہے۔ وہ قاید رضائے الہی ہے اور اس کی سماعت ذریعہ نجات ہے۔ اسی سے اللہ کی روشن حجتیں، اس کے واضح فرائض، مخفی محرمتوں روشن بینات کافی دلائل، مندوب فضایل، لازمی تعلیمات اور قابل رخصت احکام کا انداز ہوتا ہے۔

اس کے بعد خدا نے ایمان کو شرک سے تطہیر، نماز کو تکبر سے پاکیزگی، زکوٰۃ کو نفس کی صفائی اور رزق کی

زیادتی، روزہ کو خلوص کے استحکام، حج کو دین کی تقویت، عدل کو دلوں کی تنظیم، ہماری اطاعت کو ملت کے نظام، ہماری امامت کو تفرقہ سے امان،

جہاد کو اسلام کی عزت، صبر کو طلب اجر کا معاون، امر بالمعروف کو عوام کی مصلحت، والدین کے ساتھ حسن سلوک کو عذاب سے تحفظ، صلہ رحم کو عدد کی زیادتی، قصاص کو خون کی حفاظت، ایفاء نذر کو مغفرت کا وسیلہ، ناپ تول کو فریب دہی کا توڑ، حرمت شراب خوری کو رجس سے پاکیزگی، تہمت سے پرہیز کو لعنت سے محافظت اور ترک سرقت کو عفت کا سبب قرار دیا ہے، اس نے شرک کو حرام کیا تاکہ ربوبیت سے اخلاص پیدا ہو۔ لہذا اللہ سے باقاعدہ ڈرو اور بغیر مسلمان ہوئے نہ مرنا، اس کے امر ونہی کی اطاعت کرو اس لئے کہ اس کے بندوں میں خوف رکھنے والے صرف صاحبان علم و معرفت ہی ہوتے ہیں۔

لوگو: یہ جان لو کہ میں فاطمہ (س) ہوں، اور میرے باپ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ یہی اول و آخر کہتی ہوں اور نہ غلط کہتی ہوں نہ بے ربط۔ وہ تمہارے پاس رسول بن کر آئے، ان پر تمہاری زحماتیں شاق تھیں، وہ تمہاری بھلائی کے خواہاں اور صاحبان ایمان کے لئے رحیم و مہربان تھے۔ اگر تم انہیں اور ان کی نسبت کو دیکھو تو تمام عرب میں صرف میرے باپ، اور تمام مردوں میں صرف میرے ابن عم کوان کا بھائی پاؤ گے، اور اس نسبت کا کیا کہنا؟

میرے پدر بزرگوار نے کھل کر پیغام خدا کو پہنچایا، مشرکین سے بے پرواہ ہو کر ان کی گردنوں کو پکڑ کر اور ان کے سرداروں کو مار کر دین خدا کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دی۔ وہ مسلسل بتوں کو توڑ رہے تھے اور مشرکین کے سرداروں کو سر نگوں کر رہے تھے یہاں تک کہ مشرکین کو شکت ہوئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

رات کی صبح ہو گئی، حق کی روشنی ظاہر ہو گئی، دین کا ذمہ دار گویا ہو گیا شیاطین کے ناطقے گنگ ہو گئے، نفاق تباہ ہوا، کفر و افتراء کی گریبیں کھل گئیں اور تم لوگوں نے کلمہ اخلاص کو ان روشن چہرہ فاقہ کش لوگوں سے سیکھ لیا، جن سے اللہ نے رجس کو دور رکھا تھا اور انہیں حق طہارت عطا کیا تھا تم جہنم کے کنارے پرتھے میرے باپ نے تم کو بچایا،

تم ہر لالچی کے لئے مال غنیمت اور ہر زود کار کے لئے چنگاری تھے ہر پیر کے نیچے پامال تھے، گندہ پانی پیتے تھے، پتے چباتے تھے، ذلیل اور پست تھے، ہر وقت چار طرف سے حملہ کا اندیشہ تھا لیکن خدا نے میرے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ تمہیں ان تمام مصیبتوں سے بچا لیا۔

خیر ان تمام باتوں کے بعد بھی جب عرب کے نامور سرکش بہادر اور اہل کتاب کے باغی افراد نے جنگ کی آگ بھڑکائی تو خدا نے اسے بجھا دیا یا شیطان نے سینگ نکالی یا مشرکوں نے منہ کھولا تو میرے باپ نے اپنے بھائی کو ان کے حلق میں ڈال دیا اور وہ اس وقت تک نہیں پلٹے جب تک ان کے کانوں کو کچل نہیں دیا اور ان کے شعلوں کو آب شمشیر سے بجھا نہیں دیا۔

وہ اللہ کے معاملہ میں زحمت کش اور جد و جہد کرنے والے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے قریبی، اولیاء اللہ کے سردار، پند و نصیحت کرنے والے سنجیدہ اور کوشش کرنے والے اور اللہ کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرنے والے تھے۔

اور تم عیش کی زندگی، آرام سکون چین کے ساتھ گزار رہے تھے، ہماری مصیبتوں کے منتظر اور ہماری خبر بد کے خواہاں تھے۔ تم لڑائی سے منہ موڑ لیتے تھے اور میدان جنگ سے بھاگ جاتے تھے۔

پھر جب اللہ نے اپنے نبی کے لئے انہی کے گھر اور اصفیاء کی منزل کو پسند کر لیا تو تم میں نفاق کی روشنی

ظاہر ہوگئی گمراہوں کا منادی بولنے لگا۔ اہل باطل کے دودھ کی دھاریں بہ بہ کر تمہارے صحن میں آگئیں، شیطان نے سر نکال کر تمہیں آواز دی تو تمہیں آپنی دعوت کا قبول کرنے والا اور آپنی بارگاہ میں عزت کا طالب پایا۔ تمہیں اٹھایا تو تم ہلکے دکھائی دئے، بھڑکایا تو تم غصہ ور ثابت ہوئے، تم نے دوسروں کے اونٹ پر نشان لگا دیا اور دوسروں کے چشمہ پر وارد ہوگئے حالانکہ ابھی زمانہ قریب کا ہے اور زخم کشادہ ہے جراثیم مندمل نہیں ہوئی ہے اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قبر میں سو بھی نہیں سکے ہیں۔ یہ جلدی بازی تم نے فتنہ کے خوف سے کی حالانکہ تم فتنہ ہی میں پڑ گئے اور جہنم تو تمام کفار کو محیط ہے۔ افسوس تم پر تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کہاں بھک رہے ہو؟ تمہارے درمیان کتابِ خدا موجود ہے جس کے امور واضح، احکام اشکار، علایم روشن، نوابی تا بندہ اور اوامر نمایاں ہیں تم نے اسے پس پشت ڈال دیا۔ یا کوئی دوسرا حکم چاہتے ہو تو یہ بہت برابدل ہے اور جو غیر اسلام کو دین بنائے گا اس سے وہ قبول بھی نہ ہوگا اور آخرت میں خسارہ بھی ہوگا۔

اس کے بعد تم نے صرف اتنا انتظار کیا کہ اس کی نفرت ساکن ہو جائے اور مہار ڈھیلی ہو جائے، پھر آتش جنگ کو روشن کرکے شعلوں کو بھڑکانے لگے، شیطان کی آواز پر لہیک کھنے اور دین کے انوار کو خاموش کرنے اور سنت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بر باد کرنے کی کوششیں شروع کر دیں

تم پانی ملے ہوئے دودھ کو بار بار پنے میں آپنی سیری سمجھتے ہو اور رسول کے اہل واپلہیت (علیہم السلام) کے لئے پوشیدہ ضرر رسانی کر تے ہو۔ ہم تمہاری حرکات پر یوں صبر کرتے ہیں جیسے چھری کی کاٹ اور نیزے کے زخم پر۔ تمہارا خیال ہے کہ میرا میراث میں حق نہیں ہے۔ کیا تم جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہو، جب کہ ایمان والوں کے لئے اللہ سے بہتر کوئی حاکم نہیں ہے کیا تم نہیں جانتے ہو؟ جی ہاں! تمہارے لئے روز روشن سے زیادہ عیاں ہے کہ میں ان کی پارہ جگر ہوں۔ اے مسلمانو! کیا مجھے میری میراث سے محروم کر دیا جائے گا؟ اے ابو بکر! کیا قرآن میں یہی ہے کہ تو اپنے باپ کا وارث بنے اور میں اپنے باپ کی وارث نہ بنوں۔ یہ کیسا افتراء ہے؟

کیا تم نے قصداً کتابِ خدا کو پس پشت ڈال دیا ہے جب کہ اس میں سلیمان (علیہم السلام) کے وارث داؤد (علیہ السلام) د ہونے کا ذکر ہے اور جناب زکریا (علیہ السلام) کی یہ دعا خدا یا مجھے ایسا ولی دیدے جو میرا اور آل یعقوب (علیہم السلام) کا وارث ہو۔ اور یہ اعلان ہے قرابتدار بعض بعض سے اولی ہیں۔

اور یہ ارشاد ہے خدا اولاد کے بارے میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی کا دوگنا ملے گا اور یہ تعلیم ہے کہ مرنے والا اپنے والدین اور اقربا کے بارے میں وصیت کرے۔ یہ متقین کی ذمہ داری ہے۔ اور تمہارا خیال ہے کہ نہ میرا کوئی حق ہے اور نہ میرے باپ کی کوئی میراث ہے اور نہ میری کوئی قرابتداری ہے۔ کیا تم پر کوئی خاص آیت نازل ہوئی ہے جس میں میرا باپ شامل نہیں ہے؟

یا تمہارا کھنا یہ ہے کہ میں اپنے باپ کے مذہب سے الگ ہوں اس لئے وارث نہیں ہوں۔ کیا تم عام و خاص قرآن کو میرے باپ اور میرے ابن عم سے زیادہ جانتے ہو۔ خیر ہوشیار ہو جاؤ: آج تمہارے سامنے وہ سہم رسیدہ ہے جو کل تم سے قیامت میں ملے گی جب اللہ حاکم اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) طالب حق ہوں گے۔

موعد قیامت کا ہوگا اور ندامت کسی کے کام نہ آئے گی اور ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہوگا۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے پاس رسوا کن عذاب آتا ہے اور کس پر مصیبت نازل ہوتی ہے۔

(اس کے بعد آپ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا)

اے جواں مرد گروہ: ملت و قوم کے بازو! اسلام کے ناصرو!

یہ میرے حق سے چشم پوشی میری ہمدردی سے غفلت کیسی ہے؟ کیا وہ رسو (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ل میرے باپ نہ تھے جنہوں نے یہ کہا تھا انسان کا تحفظ اس کی اولاد میں ہوتا ہے۔ تم نے بہت جلدی خوف زدہ ہو کر یہ اقدام کیا حالانکہ تم میں وہ حق والو بکی طاقت تھی جس کے لئے میکوشاں ہو اور وہ قوت تھی جس کی میں طالب اور تگودو میں ہوں۔ کیا تمہارا یہ بہانہ ہے رسو (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ل کا انتقال ہو گیا ہے! تو یہ تو بہت بڑا حادثہ رونما ہو گیا ہے۔

جس کارخنہ وسیع، شگاف کشادہ ہو گیا ہے، زمین ان کی غیبت سے تاریک، ستارے بے نور، امیدیں ساکن، پہاڑ سرنگوں، حریم زایل اور حرمت برباد ہو گئی ہے۔ یقیناً یہ بہت بڑا حادثہ اور بہت عظیم مصیبت ہے، نہ ایسا کوئی حادثہ ہے اور نہ سانحہ۔ خود قرآن نے تمہارے گھروں میں صبح وشام بہ آواز بلند تلاوت والہان کے ساتھ اعلان کر دیا تھا کہ اس سے پہلے جو انہیاً پر گذرا وہ اٹل حکم تھا اور حتمی قضا تھی اور یہ بھی ایک رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جنہیں موت آئے گی تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ اس سے اللہ کا کوئی نقصان نہ ہوگا، اور وہ اہل شکر کو جزا دے کے رہے گا ہاں اے انصار: کیا تمہارے دیکھتے سنتے اور تمہارے مجمع میں میری میراث ہضم ہو جائے گی؟ تم تک میری آواز بھی پہنچی۔ تم با خبر بھی ہو۔ تمہارے پاس اشخاص، اسباب، آلات، قوت، اسلحہ اور سپر سب کچھ موجود ہے۔ لیکن تم نہ میری آواز پر لہیک کہتے ہو، اور نہ میری فریاد کو پہنچتے ہو، تم تو مجاہد ہو، خیر و صلاح کے ساتھ معروف ہو، منتخب روزگار اور سرآمد زمانہ تھے۔ تم نے عرب سے جنگ میں رنج و تعب اٹھایا ہے، امتوں سے ٹکرائے ہو، لشکروں کا مقابلہ کیا ہے،

ابھی ہم دونوں اسی جگہ ہیں جہاں ہم حکم دیتے تھے اور تم فرمانبر داری کرتے تھے۔ یہاں تک کی ہمارے دم سے اسلام کی چکی چلنے لگی۔ زمانہ کا دودھ نکال لیا گیا، شرک کے نعرے پست ہو گئے، افتراء کے فوارے دب گئے، کفر کی آگ بجھ گئی، فتنہ کی دعوت خاموش ہو گئی، دین کا نظام مستحکم ہو گیا، تو اب تم اس وضاحت کے بعد کہاں چلے گئے اور اس اعلان کے بعد کیوں پر دہ پوشی کر لی؟

آگے بڑھ کے قدم کیوں پیچھے ہٹا دئے؟

ایمان کے بعد کیوں مشرک ہوئے جا رہے ہو؟

برا ہو اس قوم کا جس نے اپنی قسموں کو عہد کرنے کے بعد توڑا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نکالنے کی فکر کی اور پہلے تم سے مقابلہ کیا کیا تم ان سے ڈرتے ہو جب کہ خوف کا مستحق صرف خدا ہے۔ اگر تم ایمان دار ہو۔ خبر دار:

میں دیکھ رہی ہوں کہ تم دائمی پستی میں گر گئے اور تم نے بست و کشاد کے صحیح حق دار کو دور کر دیا، آرام طلب ہو گئے اور تنگی سے وسعت میں آگئے، جو سنا تھا اسے پہینک دیا اور جو بادلِ نخواستہ نکل لیا تھا اسے اُگل دیا۔ خیر تم کیا اگر ساری دنیا بھی کافر ہو جائے تو اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ خیر مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکی، تمہاری بے رخی اور بے وفائی کو جانتے ہوئے جس کو تم لوگوں نے شعار بنا لیا ہے۔ لیکن یہ تو ایک دل گرفتگی کا نتیجہ اور غضب کا اظہار ہے، ٹوٹے ہوئے دل کی آواز ہے، ایک اتمام حجت ہے چاہے تو اسے ذخیرہ کر لو۔ مگر یہ پیٹھ کا زخم ہے، پیروں کا گھاؤ ہے

ذلت کی بقا اور غضبِ خدا اور ملامتِ دائمی سے موسوم ہے اور اللہ کی اس بھڑکتی آگ سے متصل ہے جو

دلوں پر روشن ہوتی ہے۔ خدا تمہارے کثرت کو دیکھ رہا ہے اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیسے پلٹائے جائیں گے۔ میں تمہارے اس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی ہوں جس نے عذاب شدید سے ڈرایا ہے۔

اب تم بھی عمل کرو میں بھی عمل کرتی ہوں۔

تم بھی انتظار کرو اور میں بھی وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔

اس کے جواب میں ابو بکر (عبد اللہ بن عثمان) نے لوگوں کو گمراہ اور غافل کرنے کے لئے یوں تقریر شروع کی تاکہ اپنے موقف کو بچا سکے۔

دختر رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): آپ کے بابا مومنین پر بہت مہربان۔ رحم و کرم کرنے والے اور صاحب عطوفت تھے۔ وہ کافروں کے لئے دردناک عذاب اور سخت ترین قہر الہی تھے۔ آپ اگر ان کی نسبتوں پر غور کریں تو وہ تمام عورتوں میں صرف آپ کے باپ تھے اور تمام چاہنے والوں میں صرف آپ کے شوہر کے چاہنے والے تھے اور انہوں نے بھی ہر سخت مرحلہ پر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دیا ہے۔ آپ کا دوست نیک بخت اور سعید انسان کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا ہے اور آپ کا دشمن شقی اور بد بخت کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

آپ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پاکیزہ عترت اور ان کے منتخب پسندیدہ افراد ہیں۔ آپ ہی حضرات راہ خیر میں ہمارے رہنما اور جنت کی طرف ہمیلے جانے والے ہیں۔ اور خود آپ اے تمام خواتین عالم میں منتخب اور خیر الانبیاء کی دختر۔ یقیناً آپ نے کلام میں صادق اور کمال عقل میں سب پر مقدم ہیں۔ آپ کو نہ آپ کے حق سے روکا جا سکتا ہے اور نہ آپ کی صداقت کا انکار کیا جا سکتا ہے مگر خدا کی قسم میں نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رائے میں عدول نہیں کیا ہے اور نہ کوئی کام ان کی اجازت کے بغیر کیا ہے اور میرے کارواں قافلہ سے خیانت بھی نہیں کر سکتا ہے۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور وہی گواہی کے لئے کافی ہے

کہ میں نے خود رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا ہے کہ ہم گر وہ انہیاء۔ سونے چاندی اور خانہ و جایداد کا مالک نہیں بناتے ہیں۔ ہماری وراثت کتاب، حکمت، علم و نبوت ہے اور جو کچھ مال دنیا ہم سے بچ جاتا ہے وہ ہمارے بعد ولی امر کے اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہے۔

اور میں نے آپ کے تمام مطلوبہ اموال کو سامان جنگ کے لئے مخصوص کر دیا ہے جس کے ذریعہ مسلمان کفار سے جہاد کریں گے اور سرکش فاجروں سے مقابلہ کریں گے اور یہ کام مسلمانوں کے اتفاق رائے سے کیا ہے۔ یہ تنہا میری رائے نہیں ہیں اور نہ میں نے ذاتی طور پر طے کیا ہے۔ یہ میرا ذاتی مال اور سرمایہ آپ کے لئے حاضر ہے اور آپ کی خدمت میں ہے جس میں کوئی کوتاہی نہیں کی جا سکتی ہے۔

آپ تو اپنے باپ کی امت کی سردار ہیں اور آپنی اولاد کے لئے شجرہ طیبہ ہیں۔ آپ کے فضل و شرف کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور آپ کے اصل و فرع کو گرایا نہیں جا سکتا ہے۔ آپ کا حکم تو میری تمام املاک میں بھی نافذ ہے تو کیسے ممکن ہے میں اس مسئلہ میں آپ کے بابا کی مخالفت کر دوں۔ یہ سن کر جناب فاطمہ زہرا (علیہا السلام) نے فرمایا:

سبحان اللہ۔ نہ میرا باپ احکام خدا سے روکنے والا تھا اور نہ اس کا مخالف تھا۔ وہ آثار قرآن کا اتباع کرتا تھا اور اس کے سوروں کے ساتھ چلتا تھا۔ کیا تم لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ آپنی غداری کا الزام اس کے سر ڈال دو۔ یہ ان کے انتقال کے بعد ایسی ہی سازش ہے جیسی ان کی زندگی میں کی گئی تھی۔

دیکھو یہ کتاب خدا حاکم عادل اور قول فیصل ہے جو اعلان کر رہی ہے کہ خدایا وہ ولی دیدے جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو اور سلمان (علیہ السلام) داؤد (علیہ السلام) کے وارث ہوئے۔ خدائے عز وجل نے تمام حصے اور فرا ئض کے تمام احکام بیان کر دیے ہیں جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کے حقوق کی بھی وضاحت کر دی ہے اور اس طرح تمام اہل باطل کے بہانوں کو باطل کر دیا ہے اور قیامت تک کے تمام شبہات اور خیالات کو ختم کر دیا ہے۔ یقیناً یہ تم لوگوں کے نفس نے ایک بات گڑھ لی ہے تو اب میں بھی صبر جمیل سے کام لے رہی ہوں اور اللہ ہی تمہارے بیانات کے بارے میں میرا مدد گار ہے۔ (اس کے بعد ابوبکر نے پھر تقریر شروع کی)

اللہ، رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور رسول کی بیٹی سب سچے ہیں۔ آپ حکمت کے معادن، ہدایت و رحمت کا مرکز، دین کے رکن، حجت خدا کا سر چشمہ ہیں۔ میں نہ آپ کے حرف راست کو دور پہینک سکتا ہوں اور نہ آپ کے بیان کا انکار کر سکتا ہوں۔ مگر یہ ہمارے اور آپ کے سامنے مسلمان ہیں۔ جنہوں نے مجھے خلافت کی ذمہ داری دی ہے اور میں نے ان کے اتفاق رائے سے یہ عہدہ سنبھالا ہے۔ اس میں نہ میری بڑائی شامل ہے نہ خود رائی اور نہ شوق حکومت۔

یہ سب میری اس بات کے گواہ ہیں ابو بکر کی پہلی کشش تھی جس میں انہوں نے مسلمانوں کے جذبات اور ان کی رائے کو حضرت زہرا (علیہا السلام) کی نصرت سے منحرف کیا اور اس کے لئے انہوں نے امت کی صلاح و فلاح اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اتباع کا حوالہ دے کر رائے عامہ کو اپنی ظاہر داری کے ذریعہ گمراہ کیا۔

جسے سن کر جناب فاطمہ زہرا (علیہا السلام) لوگوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا: اے گروہ مسلمین جو حرف باطل کی طرف تیزی سے سبقت کرنے والے اور فعل قہیح سے چشم پوشی کرنے والے ہو۔ کیا تم قرآن پر غور نہیں کرتے ہو اور کیا تمہارے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ یقیناً تمہارے اعمال نے تمہارے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے اور تمہاری سماعت اور بصارت کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ تم نے بدترین تاویل سے کام لیا ہے۔

اور بدترین راستہ کی نشان دہی کی ہے اور بدترین معاوضہ پر سودا کیا ہے۔ عنقریب تم اس بوجھ کی سنگینی کا احساس کرو گے اور اس کے انجام کو بہت درد ناک پاؤ گے جب پردے اٹھا ئے جائیں گے اور پس پردہ کے نقصانات سامنے آجائیں گے اور خدا کی طرف سے وہ چیزیں سامنے آجائیں گی جن کا تمہیں وہم گمان بھی نہیں ہے اور اہل باطل خسارہ کو برداشت کریں گے۔

اس کے بعد قبر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رخ کر کے فریاد کی: بابا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد بڑی نئی نئی خبریں اور مصیبتیں سامنے آئیں کہ اگر آپ سامنے ہوتے تو مصائب کی یہ کثرت نہ ہوتی۔ ہم نے آپ کو ویسے ہی کھو دیا جیسے زمین ابر کرم سے محروم ہو جائے۔ اور اب آپ کی قوم بالکل ہی منحرف ہو گئی ہے۔

ذرا آپ آکر دیکھ تو لیبیدنیا کا جو خاندان خدا کی نگاہ میں قرب و منزلت رکھتا ہے وہ دوسروں کی نگاہ میں محترم ہوتا ہے مگر ہمارا کوئی احترام نہیں ہے کچھ لوگوں نے اپنے دل کے کینوں کا اس وقت اظہار کیا جب آپ اس دنیا سے چلے گئے اور میرے اور آپ کے درمیان خاک قبر حائل ہو گئی۔ لوگوں نے ہمارے اوپر ہجوم کر لیا اور آپ کے بعد ہم کو بے قدر و قیمت سمجھ کر ہماری میراث کو ہضم کر لیا۔

آپ کی حیثیت ایک بدر کامل اور نور مجسم کی تھی جس سے روشنی حاصل کی جاتی تھی اور اس پر رب عزت

کے پیغامات نازل ہوتے تھے۔

جبریل آیات الہی سے ہمارے لئے سامان انس فراہم کرتے تھے مگر آپ کیا گئے کہ ساری نیکیاں پس پر دہ چلی گئیں۔ کاش مجھے آپ سے پہلے موت آگئی ہوتی اور میں آپ کے اور آپنے درمیان خاک کے حائل ہونے سے پہلے مر گئی ہوتی۔

شہزادی کائنات (علیہا السلام) نے آپنا خطاب مکمل کیا اور حق کو بالکل واضح و آشکار فرمادیا، آپ (س) نے خلیفہ سے جواب طلب کیا۔ خلیفہ کو منہ کی کھانی پڑی، اور مستحکم و واضح ادلہ و براہین سے، ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اسلام کے حقیقی خلیفہ کے فضائل و کمالات کا تذکرہ بھی کر دیا جس سے مدینہ کی سیاسی فضا بالکل بدل گئی اور رائے عامہ شہزادی کی موافق ہو گئی اور ابوبکر کے سامنے مشکلات کھڑی ہو گئیں اور ان کے لئے اس سے چھٹکارے کے تمام راستے بند نظر آنے لگے۔

ابن ابی الحدید کا بیان ہے: میں نے مدرسہ غریبہ بغداد کے مدرس ابن الفارقی سے پوچھا: کیا فاطمہ (س) واقعاً سچی تھیں؟ انہوں نے کہا ہاں! میں نے کہا تو پھر ابوبکر صاحب نے ان کو فدک کیوں واپس نہیں کیا تھا؟ جب کہ وہ ان کے نزدیک بھی صادقہ تھیں یہ سنکر وہ مسکرائے اور انہوں نے ایک حسین اور پر لطف بات کہی: اگر وہ آج صرف ان کے دعوے کی بنا پر فدک ان کے حوالے کر دیتے تو وہ اگلے روز ان کے پاس پھر تشریف لاتیں اور آپنے شوہر کے لئے خلافت کا دعویٰ پیش کر دیتیں اور ان کو ان کے مقام سے ہٹا دیتیں اور پھر ان کے لئے کسی قسم کے عذر کی گنجائش باقی نہ رہتی، کیونکہ انہوں نے خود آپنے قلم سے صادقہ لکھا ہے لہذا اب وہ جو دعویٰ بھی کرتیں اس کے لئے کسی بینہ اور گواہی کی ضرورت نہیں تھی۔

شہزادی کائنات (علیہا السلام) کے خطبہ پر خلیفہ کا رد عمل
دربار خلافت بالکل تہ وبالا ہو گیا، لوگ منتشر ہو گئے، ہر طرف آوازیں بلند ہو گئیں لوگوں کی زبان پر صرف شہزادی کے خطبے کا چرچا رہتا تھا چنانچہ اس کے اثرات کو دبانے کے لئے خلیفہ نے طاقت اور دھمکیوں کا سہارا لیا۔

روایت میں ہے کہ جب خلیفہ نے لوگوں پر شہزادی کے خطبہ کا یہ اثر دیکھا تو عمر سے کہا: تیرے دونوں ہاتھ شل ہو جائیں اگر تو نے مجھے چھوڑ دیا ہوتا تو تمہارا کیا بگڑ جاتا؟ نہ جانے کتنے بے وقوف مر گئے اور کتنے شکاف بھر گئے کیا وہ ہم سے زیادہ حقدار نہیں تھے؟ تو خلیفہ دوم نے جواب دیا اس سے تو تمہاری حکومت کمزور ہوتی، اور تم سب کی سبکی تھی، اور مجھے تو صرف تمہارا خیال تھا، انہوں نے کہا: تم پر وائے ہو، پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی کا کیا جواب دیں؟ سب لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کس چیز کی طرف دعوت دے رہی ہیں اور ہم نے کیا کیا غداری کی ہے؟ عمر بولے یہ تو ایک ریلہ تھا جو گذر گیا اور ایک گھڑی تھی جو چلی گئی اور یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کچھ تھا ہی نہیں، تو خلیفہ نے عمر کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: اے عمر تم نے کتنی مشکلات آسان کر دی ہیں۔ پھر نماز جماعت کا اعلان ہوا، اور تمام لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے منبر پر جا کر یہ تقریر کی:

ایہا الناس اے لوگو! ہر نقص نکالنے والی طرف یہ جھکاؤ کیسا ہے؟ رسول اللہ کے زمانے میں یہ سب باتیں کہاں تھیں؟ یاد رکھو جو سن رہا ہے وہ بیان کر دے جو موجود ہے وہ دوسروں کو بتا دے یہ وہ لومڑی ہے جس کے ساتھ اس کی دم چپکی ہوئی ہے ہر فتنہ کی جڑ یہی ہے جو یہ کہتا ہے

اس کو کمزور ہونے کے بعد تناور بنا کر مضبوط کر دو یہ کمزوروں سے مدد مانگتے ہیں عورتوں کی نصرت حاصل کرتے ہیں اس لومڑی کی طرح جو آپنے گھر والوں کے لئے بغاوت ہی پسند کرتی ہے یاد رکھو اگر میں چاہوں تو

کہہ سکتا ہوں اور اگر کہوں گاتو کچھ بھی کہہ دوں گاہیشک میں ساکت ہوں جب تک مجھے خاموش رہنے دیا گیا۔

پھر وہ انصار کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے گروہ انصار مجھے تمہارے نادانوں کے بارے میں معلوم ہوا ہے اور جو رسول اللہ کے ساتھ رہا ان میں تم سب سے زیادہ حقدار ہو وہ تم لوگوں کے پاس آئے تو تم نے انہیں پناہ دی ان کی نصرت و امداد کی یاد رکھو کہ جو شخص ہماری نظر میکسی چیز کا مستحق نہیں ہے میں اس کو ہرگز اپنے ہاتھ یا زبان سے وہ چیز عطا نہیں کرسکتا پھر وہ منبر سے نیچے اتر آئے۔

ابن ابی الحدید معتزلی کہتے ہیں کہ میں نے یہ کلام نقیب ابو یحییٰ جعفر بن ابو یحییٰ ابن ابو زید بصری کے سامنے پڑھا اور ان سے کہا کہ یہ کس سے کنایہ ہے تو انہوں نے جواب دیا: بلکہ صاف صاف کہہ رہے ہیں تو میں نے کہا: اگر انہوں نے صاف صاف کہا ہوتا تو میں آپ سے سوال نہ کرتا تو وہ ہنسنے اور کہا علی ابن ابی طالب (علیہما السلام) کے بارے میں، تو میں نے کہا تو انصار نے اس کا کیا جواب دیا؟ تو انہوں نے کہا تو وہ حضرت علی (علیہ السلام) کی بات پر تیار ہو گئے لیکن آپ حالات کے بگڑ جانے کی بنا پر خوف زدہ ہو گئے اور انہیں اس سے منع کردیا۔

ام سلمہ اور جناب فاطمہ (علیہا السلام) کے حق کا دفاع

مسجد نبوی میں شہزادی کائنات کے خطبہ اور ابوبکر کے جواب کے بعد جناب ام سلمہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا: کیا پیغمبر کی بیٹی فاطمہ (س) جیسے لوگوں کو بھی اس طرح کا جواب دیا جاتا ہے؟ اللہ کی قسم وہ انسانوں کے درمیان ایک حور ہیں، متقین کی آغوش کی پروردہ، ملائکہ کے ہاتھوں کی ناز بردار پاکیزہ گودیوں میں پروان چڑھنے والی، بہترین نشو و نما کے دائرہ میبڑی ہونے والی اور اعلیٰ تربیت گاہ کی تربیت یافتہ ہیں، کیا تم یہ سوچتے ہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے اوپر اپنی میراث حرام کردی تھی

اور انہیں اس کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں تھا، جب کہ خداوند عالم نے یہ ارشاد فرمایا ہے: "و انذر عشیرتک الاقربین" اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ، یا پیغمبر نے ان کو حکم خدا بتادیا مگر یہ ان کے حکم کی خلاف ورزی کر رہی ہیں، جب کہ یہ خیر النساء، جوانان جنت کے سرداروں کی ماں اور مریم کی ہم رتبہ ہیں، ان کے بابا پر خداوند عالم کی رسالت تمام ہوئی ہے اللہ کی قسم وہ ان کو سردی اور گرمی سے بچایا کرتے تھے، اپنے داہنی طرف بٹھاتے تھے اور بائیں جانب سلاتے تھے بہت جلد تمہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں پلٹائے جاؤ گے، تمہارے اوپر وائے ہو کہ تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سال آپ کو بیت المال کے وظیفہ سے محروم کردیا گیا۔

مولائے کائنات (علیہ السلام) سے شکوہ

جب مسجد نبوی میں آپ کا خطبہ تمام ہو گیا تو آپ نے قبر رسول پر جاکر اتنا گریہ فرمایا کہ وہ آنسوؤں سے تر ہو گئی اس کے بعد آپ گھر واپس آ گئے جہاں امیر المومنین (علیہ السلام) آپ کا انتظار کر رہے تھے اور حالات معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے۔

لیکن آپ نے گھر میں داخل ہوتے ہی فریاد شروع کر دی یا ابن ابی طالب! آپ تو گھر میں پس پر دہ رہ گئے اور

خوف تہمت سے ہیٹھ گئے۔ حالانکہ آپ نے بڑے بڑے شاہینوں کے بال وپر توڑ دئے ہیتو آپ کے لئے ان کمزوروں کے بال وپر کی کیا حیثیت ہے دیکھئے یہ ابو قحافہ کا فرزند۔ میرے باپ کے عطیہ اور میرے بچوں کے وسایل کو ہضم کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کھل کر مجھ سے جھگڑا کیا ہے اور میں نے اسے گفتگو میں بدترین دشمن پایا ہے یہاں تک کہ انصار نے بھی آپنی مدد کو روک لیا ہے اور مہاجرین نے بھی تعلقات توڑ لئے ہیں اور ساری قوم نے میری طرف سے چشم پوشی کرلی ہے۔ اب نہ کوئی دفاع کرنے والا ہے اور نہ کوئی روکنے والا ہے میں بڑے صبرو ضبط کے ساتھ گھر سے نکلی تھی مگر بغیر کسی نتیجہ کے واپس آگئی۔

[illegible]

یہ سن کر امیر المومنین (علیہ السلام) نے فرمایا:

دختر پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ویل تمہارے لئے نہیں ہے۔ تمہارے دشمنوں کے لئے ہے۔ آپنے غصہ کو روک لیجیے آپ مختار کائنات کی بیٹی اور نبوت کی یاد گار ہیں۔ میں نے دین میں کوئی سستی نہیں کی اور آپنے امکان بھر کوئی کوتاہی نہیں کی اگر آپ سامان معیشت چاہتی ہیں تو آپ کے رزق کا ذمہ دار پروردگار ہے اور آپ کا ذمہ دار امین ہے۔ اور پروردگار نے آپ کے لئے جو اجر فراہم کیا ہے وہ اس مال دنیا سے کہیں زیادہ بہتر ہے جس سے آپ کو محروم کیا گیا ہے آپ خدا کے لئے صبر کیجیے۔

(جسے سن کر آپ نے فرمایا - یقیناً میرے لئے میرا خدا کافی ہے)

6-بائیکاٹ کا اعلان

شہزادی(س) دو عالم کا یہ جہاد آپ کے خطبہ پر ہی تمام نہیں ہوا بلکہ آپ نے خلیفہ سے بات نہ کرنے کا فیصلہ کر کے کھلے عام یہ اعلان کر دیا: ”

و اللہ لا اکلمک بکلمۃ ما حییت ” اللہ کی قسم میں جب تک زندہ رہو گی تم سے کوئی بات نہیں کروں گی “

ظاہر سی بات ہے کہ حضرت فاطمہ (س) کی حیثیت ایک عام انسان جیسی تو نہیں تھی کہ جن کے تعلقات توڑ لینے سے خلیفہ پر کوئی اثر نہ پڑے، اور اس قطع تعلق میں کوئی دم نہ ہوتا بلکہ جناب فاطمہ (س) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پارہء جگر اور آپ کی عزیز القدر بیٹی تھیں نیز آپ کے بارے میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خاص اہتمام اور آپ سے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی والہانہ محبت کسی سے پوشیدہ امور نہیں تھے اور آپ ہی کے بارے میں آنحضرت نے یہ فرمایا تھا: ”فاطمۃ بضعة منی، من آذاها فقد آذانی“ ”فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی “

چنانچہ یہ خبر آہستہ آہستہ ہر طرف پھیل گئی کہ حضرت فاطمہ (س)، ابوبکر سے اتنی ناراض ہیں کہ آپ نے خلیفہ سے بات کرنا بھی بند کردی ہے جب اس کی اطلاع مدینہ کے اندر اور اس کے باہر چھوٹے بڑے سب کو ہوئی تو لوگ ایک دوسرے سے اس کی وجہ پوچھنے لگے، ہر روز لوگوں کے دلوں میں خلیفہ سے نفرت میں

اضافہ ہوتا رہا اور اگرچہ خلیفہ نے جناب فاطمہ (س) سے مصالحت کر کے حالات کو معمول پر لانے کی کوشش کی مگر اس سے انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور آپ نے ان کے خلاف آپنا جہاد جاری رکھا اور آپ اپنے طرز عمل پر اُسی طرح ثابت قدم رہیں۔ اور آخر کار شہیدہ و مظلومہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پہنچ گئیں۔

فدک کی سیاسی حیثیت (سیاسی راز)

مولائے کائنات (علیہ السلام) اور شہزادی (س) دو عالم نے خلافت اسلامیہ کو راہ راست پر لانے کے لئے جو اصلاحی تحریک شروع کی تھی وہ مختلف شکلیاں اور رنگ اختیار کرتی چلی گئی، اس اعلانیہ سیاسی تحریک کی قیادت جناب فاطمہ (س) کے ہاتھوں میں تھی اسی لئے آپ نے حضرت علی (علیہ السلام) کی خلافت کی حقانیت کے لئے مختلف قسم کے مطالبات سامنے رکھے جن میں سے ایک مطالبہ فدک بھی تھا۔ جو بعد میں مختلف صورتیں اختیار کر گیا۔

اس کشمکش اور رسہ کشی میں اضافے یا اس کی مختلف شکلوں کی تبدیلی کے بارے میں بنیادی بحث یہ نہیں ہے کہ یہ صرف ایک زمین کا مطالبہ تھا، بلکہ اس سے صاف ظاہر تھا کہ اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور اس کے اندر ایسے بلند عزائم پوشیدہ ہیں جن سے انقلاب پیدا ہو سکتا ہے اور اس کا مقصد غصب شدہ حق اور مجدو عظمت کی واپسی نیز امت اسلامیہ کو صحیح راستہ پر لگانا تھا جو الٹے پاؤں پلٹ گئی تھی، چنانچہ ہر سر اقتدار طبقہ کو اس کا احساس ہو گیا تھا اسی وجہ سے اس نے آپنی پوزیشن کو بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فدک کے بارے میں جتنے تاریخی اسناد موجود ہیں ہم ان کے بارے میں چاہے جتنی تحقیق اور غور و فکر کر لیں ہمیں کہیں یہ نظر نہی آتا کہ یہ ایک ایسا مادی مسئلہ تھا جو فدک کے دائرہ تک محدود تھا بلکہ یہ منحرف حکومت کے خلاف ایک تحریک اور ایسی فریاد تھی جسے جناب فاطمہ زہرا (علیہا السلام)، دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچانا چاہتی تھیں تاکہ اس کے ذریعہ سقیفہ کے دن رکھے جانے والے سنگ بنیاد کو اکھاڑ پھینکیں۔

ہمارے اس مدعی کو ثابت کرنے کے لئے دربار خلافت میں انصار و مہاجرین کے مجمع کے درمیان شہزادی کائنات کے خطبہ پر ایک گہری نظر ہی کافی ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبہ کے اکثر حصوں میں حضرت علی (علیہ السلام) کی تعریف و تمجید کے ساتھ راہ اسلام میں آپ کے خالصانہ ایثار اور آپ کی فداکاریوں کا تذکرہ فرمایا اور اہل بیت (علیہم السلام) کی شرعی حقانیت کو دامن تاریخ پر یہ کہہ کر ثبت کر دیا کہ یہی لوگ خدا اور مخلوقات کے درمیان وسیلہ، خاصان خدا، اس کے مقرب بارگاہ اور اس کی حجت نیز خلافت و حکومت میں اس کے انبیاء کے وارث ہیں۔

شہزادی کائنات (علیہا السلام) کی یہی کوشش تھی کہ مسلمان جس غفلت میں مبتلا ہیں اور ہدایت پانے کے بعد جتنی تیزی کے ساتھ الٹے پاؤں پلٹ گئے ہیں اور ان کی زندگی میں کتنا خطرناک انقلاب آیا ہے انہیں اس کے بارے میں اچھی طرح متنبہ کر دیں۔

اور جو چشمہ ان کی پیاس بجھا سکتا ہے وہ اس کے بجائے غیر شفاف جگہ پہنچ گئے اور انہوں نے اپنے امور کی نسبت نااہلوں کی طرف دے دی ہے

اور وہ ایک فتنہ اور ان محرکات میں گھر چکے ہیں جن کی بنا پر انہوں نے مسئلہ خلافت و امامت میں کتاب خدا کی مخالفت کی ہے اور اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔

لہذا یہ مسئلہ میراث اور عطیہ پیغمبر کی تقسیم کا تھا بھی تو صرف اسی حد تک کہ جس حد تک اس کا تعلق

اس اہم اور اعلیٰ مقصد کے موضوع سے تھاورنہ یہ گہر بار اور زمین جائداد کا جھگڑا نہیں تھا بلکہ جناب فاطمہ (علیہا السلام) کی نظر میں یہ اسلام اور کفر کی لڑائی تھی، ایمان و نفاق کی جنگ تھی اور نص و شوریٰ کا مسئلہ تھا۔

اسی طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس بلند و بالا اور صاف گو سیاسی شخصیت نے اپنی عیادت کے لئے آنے والی انصار و مہاجرین کی عورتوں کے سامنے بھی یہ آشکار کر دیا کہ برسر اقتدار حاکموں کے قبضہ کے بعد خلافت اپنے شرعی راستہ سے بھٹک چکی ہے اور وہ جذبات میں آکر کسی کی طرفداری یا پرانی دشمنی اور کینہ کی بنیاد پر ایسا نہیں کہہ رہی ہیں بلکہ اگر وہ لوگ اس خلافت کو اسی مقام پر رہنے دیتے جہاں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رکھا تھا اور زمام خلافت کو امام کے حوالے کر دیتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور دنیا و آخرت کی سعادت سے ہمکنار ہو جاتے۔

بلکہ بہت قرین قیاس یہ ہے کہ شہزادی کائنات کو امیر المومنین کے شیعوں اور آپ کے چیدہ اصحاب کے درمیان ایسے افراد یقیناً مل جاتے جنہیں آپ کی صداقت میں ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا اور وہ حضرت علی (علیہ السلام) کی گواہی کی بنیاد پر آپ کے حق میں فدک کی گواہی پیش کر سکتے تھے جس سے فدک کے معاملہ میں مطلوبہ گواہیاں بآسانی پوری ہو سکتی تھیں۔

یہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جناب فاطمہ (س) کا اصل مقصد جسے سب جانتے ہیں کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عطیہ اور میراث کو ثابت کرنا نہیں تھا

بلکہ درحقیقت آپ سقیفہ کے نتائج کا فیصلہ چاہتی تھیں اور یہ معاملہ صرف فدک کے بارے میں گواہ پیش کر کے حل نہیں ہو سکتا تھا

کیونکہ اس صورت میں ان کا دائرہ صرف اسی حد تک محدود رہ جاتا بلکہ آپ یہ چاہتی تھیں کہ تمام لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور راہ راست سے منحرف ہو چکے ہیں تاکہ شائد اس کے ذریعہ انہیں دوبارہ ہوش آجائے اور وہ اہل بیت (علیہم السلام) کی ہمراہی اختیار کر کے صحیح راستہ پر لگ جائیں۔

اس کا اندازہ ہمیں اس بات سے ہو جاتا ہے کہ جب شہزادی خطبہ تمام کر کے مسجد سے تشریف لے گئے تو خلیفہ کے اوپر آپ کے خطبے کی دہشت طاری ہوئی اور انہوں نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے آپ کے جواب میں جو تقریر کی تھی اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ جناب فاطمہ (س) سے ان کے اختلاف کی بنیاد کیا تھی؟ کیونکہ اتنا تو ان کی بھی سمجھ میں آگیا تھا کہ شہزادی میراث اور جائیداد کے لئے حجت پیش کرنے نہیں آئی ہیں بلکہ یہ ایک سیاسی جنگ اور حضرت علی (علیہ السلام) کے حق میں ہونے والے مظالم کا شکوہ ہے اور امت کے درمیان ان کے عظیم کردار نیز خلیفہ اور ان کے ساتھیوں نے دنیائے اسلام میں ان کے جس واقعی مقام و مرتبہ سے انہیں دور کرنے کی کوشش کی ہے یہ اس کا اعلان ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیں صاف دکھائی دے رہا ہے کہ خلیفہ صاحب نے اپنے جواب میں براہ راست حضرت علی (علیہ السلام) پر حملہ کیا اور آپ کو (معاذ اللہ) لومڑی سے تشبیہ دی اور آپ کو بی ہر فتنہ کی جڑ بتایا اور فاطمہ (س) تو ان کی تابع ہیں اور اس میں انہوں نے کہیں سے کہیں تک میراث یا عطیہ پیغمبر کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ شہزادی کائنات (علیہا السلام) نے میراث کے معاملہ میں خلیفہ کی مخالفت اسی وقت کی جب انہوں نے فدک کو غصب کر لیا، کیونکہ لوگوں کا عام دستور یہ تھا کہ وہ اپنی میراث پر قبضہ کرنے کے لئے یا میراث کو ان کے مستحقین تک پہنچانے کے لئے خلیفہ سے اجازت نہیں لیتے تھے بلکہ عام طور سے وہ اپنے

معاملات اپنے ہی درمیان آسانی سے حل کر لیتے تھے،

لہذا جناب فاطمہ (س) کو بھی نہ ارباب خلافت کے پاس جانے کی کوئی ضرورت تھی اور نہ ہی اس بارے میں ان کی رائے معلوم کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ وہ آپ کی نظر میں پہلے سے ہی ظالم و غاصب تھے۔ لہذا میراث کا یہ مطالبہ خلیفہ کے اس ظلم و تعدی کا جواب تھا جس کے ذریعہ اس نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی میراث میں شہزادی کے حق پر قبضہ جما لیا تھا۔

اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ شہزادی کائنات (علیہا السلام) آپنا حق غصب کئے جانے سے پہلے اس کامطالبہ نہیں کرسکتی ہیں لہذا اس مطالبہ کی بنا پر مخالفت کرنے والوں کے حوصلے مزید بلند ہو گئے اور انہوں نے میراث کے ترو تازہ مسئلہ کا موقع غنیمت سمجھا اور اسے غیر شرعی خلیفہ کے مقابلہ کا ایسا بہترین مواد (ایشو) قرار دے دیا کہ اس کے ذریعہ اس دور میں اسلام کی مصلحتوں کے عین مطابق نہایت صحیح اور صاف ستھرے انداز میں غاصبان خلافت کو غاصہیت، احکام شریعت سے کھلواڑ اور قانون کی بالا دستی کے استخفاف جیسے جرائم کے کٹھرے میں لاکر کھڑا کر دیا۔

۷- نئے حالات میں مولائے کائنات کا طرز عمل

تیزی کے ساتھ رونما ہونے والے واقعات، گمراہ کن اقدامات، متعدد رجحانات کے ظہور نے کہ جو اسلام کے خلاف دشمنوں کی چالیں تھیں نیز نئے نئے فتنوں کے سر ابھارنے اور دینی شعور کے خاتمہ کے خطرے کے پیش نظر نیز صحیح عقیدہ کی حفاظت کے خیال نے مولائے کائنات (علیہ السلام) کو ایک ایسے سہ راہے پر لاکر کھڑا کر دیا تھا جس میں ہر ایک راستہ نہایت دشوار اور خطرناک تھا:

۱- بغیر کسی چون و چرا کے ابوبکر کی بیعت کر لیں اور دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوجائیں، بلکہ ارباب سلطنت کے نزدیک ایک ممتاز حیثیت حاصل کر کے آپنا وجود اور آپنے منافع اور حیثیت کی حفاظت کر لی جائے اور دین و شریعت کے انجام کا کا کوئی خیال نہ رہ جائے مگر یہ ناممکن تھا کیونکہ اس کا مطلب اس بیعت پر مہر تصدیق ثبت کرنا تھا جو پیغمبر اکرم کے احکام کے سراسر خلاف تھی۔

۲- اس طرح خاموشی اختیار کر لیں کہ آنکھوں میں کانٹے اور حلق میں لقمہ پھنسا رہے اور وہ نااہل حکومت سے ایندہ سرزد ہونے والی متضاد حرکتوں کے درمیان کوشش کر کے ایک ایسا معتدل راستہ تلاش کر لیں جس سے اسلام کی حقیقی شکل باقی رہ سکے اور اسلامی عقیدہ بالکل بے راہ روی سے محفوظ ہو جائے۔

۳- لوگوں کو جمع کر کے انہیں خلیفہ کے خلاف مسلح انقلاب برپا کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔

مسالمت امیز مقابلہ اور حضرت زہرا (علیہا السلام) کا کردار:

مولائے کائنات (علیہ السلام) نے یہ قطعی فیصلہ کر لیا کہ جب تک خلیفہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے خلاف رائے عامہ ہموار نہ ہو جائے اور آپ کو اپنی قدرت پر اطمینان نہ ہو جائے آپ اہل حکومت کے خلاف کھلم کھلا یا براہ راست انقلاب کی آواز بلند کر کے مسلح اقدام نہیں کریں گے۔

اسی لئے آپ خاموشی کے ساتھ بڑے بڑے مسلمانوں اور مدینہ کے بااثر لوگوں کے گھروں میں جاکر انہیں نصیحت کرتے تھے اور ان کے سامنے اپنی حقانیت کے ثبوت اور اس کے دلائل پیش کرتے تھے، اور جس کے لئے

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی اور آپ کی شریکہ حیات بھی آپ کے اس خفیہ جہاد میں سایہ کی طرح آپ کے ساتھ رہتی تھیں، جس سے آپ کا مقصد اپنے لئے کوئی جماعت تیار کرنا نہیں تھا کیونکہ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ حضرت علی (علیہ السلام) کے ایسے چاہنے والوں کی ایک جماعت موجود تھی جو آپ کے گرد ہمیشہ حلقہ زن اور آپ کے نام پر ہر قربانی کے لئے تیار تھی اس سے آپ کا مقصد ارباب خلافت کے مقابلہ میں اجماع مسلمین اور رائے عامہ کو ہموار کرنا تھا۔

اس نازک موڑ پر جدید علوی سیاست میں مسئلہ فدک نے کلیدی حیثیت اختیار کر لی اور فاطمی کردار بھی ہارون نبوت کی تیار کردہ اس پختہ حکمت عملی کے عین مطابق تھا کہ جس کے تحت راتوں کو گھروں میں جاکر صورتحال کا پانسہ خلافت کے خلاف پلٹ دیا جائے

اور خلیفہ اول کی خلافت کا انجام بھی وہی ہو جو قصہ تمثیل کا ہوا تھا اور اس حکومت کی طرح اس کا خاتمہ نہ کیا جائے جس کا دارمدرار طاقت اور تعداد پر ہوتا ہے۔

اس دوران شہزادی کائنات (علیہا السلام) کے کردار کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفہ نے جو اموال آپ سے چھین کر غصب کر لئے تھے آپ نے برسر عام ان کا مطالبہ کر کے اس مطالبہ کو خلافت کے اساسی اور بنیادی مسئلہ کے اختلافات کی طرف موڑ دیا اور لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ جس وقت انہوں نے حضرت علی (علیہ السلام) سے منہ پھیر کر ابوبکر کی طرف رخ کیا تھا اس وقت وہ ہوس اور انحراف کا شکار تھے اور انہوں نے یہ بہت بڑی غلطی کی ہے اور کتاب خدا کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو کر ساحل مراد سے بھٹک گئے ہیں۔

اور جب یہ فکر جناب فاطمہ (س) کے ذہن میں پختہ ہو گئی تو آپ اس وقت کے حالات کے سدھار کے لئے اسے بروئے کار لائیں اور اسلامی حکومت کے دامن کو جس کیچڑ نے سقیفہ کے پہلے ہی دن آلودہ کر دیا تھا اسے وضاحت کے ذریعہ صاف کرنا شروع کر دیا کہ خلیفہ کی نظر میں اسلامی قانون کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور انہوں نے مہینہ طور پر خیانت کی ہے اور جس انتخاب (الیکشن) میں ابوبکر کو خلیفہ منتخب کیا گیا ہے وہ کتاب خدا اور راہ صواب کے سراسر خلاف تھا۔

جناب فاطمہ (س) کی اس مخالفت میں مندرجہ ذیل ایسے دو رخ پائے جاتے ہیں کہ اگر آپ کی جگہ پر حضرت علی (علیہ السلام) ہوتے تو ان رخوں کا کوئی امکان نہیں تھا:

۱- کیونکہ آپ اپنے بابا کی رحلت کی وجہ سے سوگوار تھیں لہذا اس سے لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنا اور اس مغموم فضا کا سہارا لے کر لوگوں کے نفسیات کو کرنٹ جیسے جھٹکے دینا اور اہل بیت (علیہم السلام) کے حق کی وصولیابی کے لئے ان کے شعور کو جھنجھوڑنا آپ کے لئے نہایت آسان تھا۔

۲- آپ خلافت کے مقابلہ کے لئے جو صورت بھی اختیار کر لیتیں اسے مسلحانہ کارروائی قرار دینا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس کی باگ ڈور آپ جیسی خاتون کے ہاتھوں میں تھی اور دوسری طرف مولائے کائنات (علیہ السلام) اس وقت تک صلح و آشتی کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جب تک لوگ ان کے اوپر چڑھائی نہ کر دیں۔ اور وہیں سے آپ پوری صورتحال پر دقیق نظر رکھے ہوئے تھے تاکہ اگر ضرورت پڑے تو اس میں مداخلت بھی کرسکیں اور جب یہ تحریک اپنی آخری منزل تک پہنچ جائے تو اس کی قیادت سنبھال لیں اور اگر حالات آپ کا ساتھ نہ دے سکیں تو اس فتنہ کو ہی دبا دیا جائے۔

مختصر یہ کہ شہزادی کائنات (علیہا السلام) اپنی مقاومت کے ذریعہ یا تو غاصہین خلافت کے خلاف اجتماعی انقلاب قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر آپ زبانی اختلاف اور لفظی کشمکش کو

فتنہ و فساد کارنگ اختیار نہ کرنے دیں۔ اس طرح حضرت علی (علیہ السلام) کی یہ بھرپور کوشش تھی کہ آپنی آواز کو شہزادی کائنات (علیہا السلام) کی زبان سے لوگوں کے کانوں تک پہنچادیں اور خود کو اصل معرکہ سے دور رکھیں اور کسی خاص رد عمل کے لئے مناسب موقع کے انتظار میں

رہیں اور دوسرے یہ کہ پوری امت قرآن کے سامنے اس فاطمی مخالفت کو غاصبی خلافت کے ناجائز ہونے کی مضبوط اور مستحکم سند میں تبدیل کردیں اور بالآخر آپ نے جو ارادہ کیا تھا اسے منزل تکمیل تک پہنچا دیا کیونکہ شہزادی کائنات نے علوی حق کے اثبات کے لئے ایسی واضح تعہیرات استعمال کیں کہ جن میں سر فروشی اور جہد مسلسل کے مختلف راگ بھرے ہوئے تھے۔
مختصر یہ کہ اس فاطمی جہاد کو مندرجہ ذیل شکلوں میں پیش کیا جاسکتا ہے:

۱-آپنی میراث اور دوسرے حقوق کا مطالبہ کرنے کے لئے ابوبکر کے پاس کسی دوسرے کو بھیجنا در حقیقت خود براہ راست میدان عمل میں اترنے کے لئے شہزادی کا یہ پہلا قدم تھا۔

۲-خصوصی نشست میں جاکر براہ راست اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا تاکہ اس سے خمس اور فدک وغیرہ کے معاملہ میں شدت پیدا کی جاسکے اور اس سے خلیفہ کی قوت استقامت کا اندازہ لگا لیا جائے۔

۳-وفات پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دس دن بعد مسجد نبوی میں خطبہ دینا جس کا تذکرہ شرح نہج البلاغہ میں موجود ہے۔

۴-جب ابوبکر اور عمر آپ کی عیادت کے لئے آئے تو پہلے تو آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور جب ان سے گفتگو کی تو اس میں بھی ان سے آپنی ناراضگی کا واضح لفظوں میں یہ اعلان کردیا کہ ان دونوں نے اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کیا ہے۔

۵-مہاجرین و انصار کی عورتوں کے درمیان آپ کا خطبہ جب وہ اکٹھا ہوکر آپ کے پاس آئی تھیں

۶-یہ وصیت کہ آپ کو تکلیف پہنچانے والے آپ کی تشییع جنازہ میں شریک نہ ہونے پائیں چنانچہ یہ وصیت ارباب خلافت سے آپ کی ناراضگی کا آخری پیغام تھا۔

اس طرح اس فاطمی تحریک کو ایک اعتبار سے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور دوسرے لحاظ سے اسے کامیابی مل گئی، ناکامی اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ وفات پیغمبر کے دس دن کے بعد آپنی آخری دوڑ دھوپ میں یہ تحریک خلیفہ کی حکومت پر روک نہیں لگا سکی۔

ہمارے لئے یہ بیان کرنا تو ممکن نہیں ہے کہ شہزادی کو اس معرکہ میں کون سے نقصانات برداشت کرنا پڑے، البتہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان تمام مواقع پر خلیفہ کا ہی سب سے اہم اور کلیدی رول رہا ہے کیونکہ وہ ایک سیاسی آدمی تھے جس کا ثبوت ہمیں اسی بات سے مل جاتا ہے کہ جب مسجد نبوی میں شہزادی نے اپنے خطبہ کارخ انصار کی طرف موڑ دیا تو خلیفہ نے نہایت زیرکی سے نرم لہجہ میں اس کا جواب دیا:

مگر! ابھی وہ اپنے اس نرم اور پھسلانے والے جواب میں ہی غرق تھے کہ جناب فاطمہ (س) کے مسجد سے باہر نکلتے ہی جو پلٹا کھایا تو اسی منہ سے ان کے خلاف آگ اگلنا شروع کردی اور یہاں تک کہہ دیا:
”ہر توہین کرنے والی کی طرف یہ تمہارا غلط جھکاؤ کیسا ہے؟ (معاذ اللہ) یہ تو وہ لومڑی ہے جو آپنی دم کو اپنے

ساتھ لئے ہے ”(جیسا کہ یہ پوری تقریر پہلے گذر چکی ہے) اس نرمی اور دباؤ کے بعد اچانک آگ اگلنے لگنا، یہ انقلاب اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ میاں کو آپنے اعصاب اور نفسیات نیز ہر طرح کے حالات کے ساتھ چلنے پر کتنا کنٹرول تھا۔ اور جناب فاطمہ (س) کی تحریک اس اعتبار سے کامیاب رہی کہ اس کے ذریعہ حق کو اچھی طرح تقویت مل گئی اور مذہبی اختلاف کے میدان میں اترنے کے لئے اسے نئی طاقت مل گئی اور آپ نے اپنے پورے جہاد اور تحریک کے دوران اور خاص طور سے اس وقت کہ جب شیخین آپ کی عیادت کے لئے آئے تو آپ نے آپنی اس کامیابی کو یہ کہہ کر دامن تاریخ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قلمبند کردیا:

”آپ دونوں صرف اتنا بتادیں کہ اگر میں رسول اللہ کی کوئی حدیث بیان کروں تو کیا آپ اس حدیث سے واقف ہیں یا نہیں؟ تو دونوں نے کہا: ضرور، تو آپ نے یہ فرمایا: ”نشُد تکما اللہ، اَلَمْ تسمعا من رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یقول: ”رضا فاطمة من رضای، و سخط فاطمة من سخطی، فمن اَحَبَّ فاطمة فقد اَحَبَّنِی، و من اَرْضی فاطمة فقد اَرْضانی، و من اَسخط فاطمة فقد اَسخطنی“ میں تمہیں خدا کی قسم دیتی ہوں کیا تم نے رسول اللہ کی یہ حدیث نہیں سنی ہے؟ فاطمہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوشی میری خوشی ہے اور فاطمہ (س) کی ناراضگی میں میری ناراضگی ہے لہذا جس نے فاطمہ (س) کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے فاطمہ (س) کو خوش کیا اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے فاطمہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا ہے۔

دونوں نے کہا! جی ہاں! ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ حدیث سنی ہے تب آپ نے فرمایا:-

”فَانِّی اشهد اللہ و ملائکته اَنْکما اَسخطتمانی و ما اَرْضیتمانی ولئن لقیٰت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لَأَشکوٰتکم عندہ“ میں اللہ اور اس کے ملائکہ کو گواہ بناتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے اور ملاحظہ فرمائیے: صحیح مسلم: ۴/۱۹۰۲ ج/۹۳ ح/۲۲۲۹- مطبوعہ دار احیاء التراث، مستدرک حاکم ۳/۱۵۸، ذخائر العقبیٰ ۲۷۷ مسند امام حنبل: ۳۲۳/۲ و ۳۲۲؛ جامع ترمذی: ۵/۶۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث عربی بیروت، صواعق محرقہ، ابن حجر: ۱۹۰-

مجھے راضی نہیں کیا اور اگر رسول اللہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں ان سے تم دونوں کی شکایت کروں گی۔ اس حدیث سے ہمارے سامنے یہ پوری تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ نے کس حسین انداز سے آپنے دونوں مخالفوں کو آپنے اعتراضات کی گرفت میں لے لیا اور ان کے بارے میں آپنی ناراضگی اور غم و غصہ کو بالکل آشکار کردیا۔ تاکہ دین و عقیدہ کے میدان میں آپ اس تنازع کے وقت ہر لحاظ سے کامیاب و کامران نظر آئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی واضح کردیا کہ خلیفہ نے آپ کو ناراض کر کے خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ناراضگی مول لے لی ہے اور ان دونوں نے آپ کو تکلیف دے کر اللہ اور رسول کو اذیت پہنچائی ہے کیونکہ وہ دونوں آپ کے غضب کی وجہ سے غضبناک اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے ناراض ہوتے ہیں۔ اور اس کے لئے پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحیح حدیث کی صراحت موجود ہے لہذا یہ اللہ اور اس کے رسول کے خلیفہ نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ خداوند تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”>---و ما کان لکم اَنْ تَوْذُوا رسول اللہ و لا اَنْ تنکحوا ازواجه من بعدہ اِدا ان ذلکم کان عند اللہ عظیمًا“ اور تمہیں حق نہیں ہے کہ رسول اللہ کو اذیت دو یا ان کے بعد کبھی بھی ان کی ازواج سے نکاح کرو کہ یہ خدا کی نگاہ میں بہت بڑی بات ہے۔

>ان الذین یؤذون اللہ و رسوله لعنہم اللہ فی الدنیا و الآخرة و اعد لہم عذابا مہینا<

یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ستاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں خدا کی لعنت ہے اور خدا نے ان کے لئے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

<وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ>

اور جو لوگ پیغمبر کو اذیت دیتے ہیں ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

<يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ>

ایمان والو! خبردار اس قوم سے ہرگز دوستی نہ کرنا جس پر خدا نے غضب نازل کیا ہے۔

<وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوِيَ>

اور جس پر میرا غضب نازل ہو گیا وہ یقیناً برباد ہو گیا۔

۸- جناب فاطمہ (س) کے گھر پر چڑھائی

حضرت علی (علیہ السلام) نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور حکومت سے آپنی ناراضگی کا اعلان بھی کر دیا تاکہ دنیا کے اوپر یہ واضح ہو جائے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد اسلام کی سب سے اہم شخصیت نے چونکہ خلافت کی مخالفت کی ہے لہذا یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی واقعی خلافت نہیں ہوسکتی اور بالکل یہی رویہ شہزادی کائنات نے بھی اپنایا،

تاکہ مسلمانوں کو اچھی طرح پتہ چل جائے کہ ان کے نبی کی بیٹی ان لوگوں سے ناراض تھیں اور وہ اپنے بابا کے دین کی پابند تھیں لہذا اس حکومت کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

دوسری طرف مولائے کائنات نے اپنے شرعی حق کے غاصبین کے خلاف منفی (سلبی) جہاد چھیڑ دیا اور آپ کے ساتھ ایسے بعض جلیل القدر مجاہدین و انصار بھی اٹھ کھڑے ہوئے کہ جن کی تعریف پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمائی تھی اور یہ حضرات تمام معاملات سے بخوبی واقف تھے جیسے عباس بن عبد المطلب، عمار یاسر، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، مقداد، خزیمہ ذوالشہادتین، عبادہ بن صامت، حذیفہ یمانی، سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، ابو ایوب انصاری وغیرہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں

جن پر اس شور شرابہ کا کوئی اثر نہیں ہوا اور خلافت پر قابض جماعت جن میں عمر بن خطاب سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں کی دھمکیاں ان کے اوپر ذرہ برابر کارگر ثابت نہ ہوئیں۔

کچھ اصحاب نے باقاعدہ خلیفہ اول کی بیعت پر اعتراض بھی کیا اور اس بارے میں مسجد نبوی کے علاوہ دوسرے مقامات پر متعدد بحثیں بھی ہوئیں اور وہ لوگ حکومت کی دھمکیوں کے سامنے بالکل نہیں جھکے جن سے کچھ لوگوں کے توہوش اڑ گئے اور وہ اسی دھارے کے ساتھ بہہ گئے۔

جن میں سے کچھ لوگ تو راہ راست پر واپس آگئے اور انہوں نے جلد بازی میں ہڑبڑا کر ابوبکر کی جو بیعت کر لی تھی یا ان کی طرف سے اہل بیت کی کھلی دشمنی کا اظہار ہو گیا تھا وہ ان سب باتوں پر نادم ہو گئے۔

اسی طرح مدینہ کے اطراف میں بعض مومن قہیلے بھی تھے جیسے اسد، فزارہ اور بنی حنیفہ، وغیرہ جو ”غدير خم“ کے دن اُس بیعت کے چشم دید گواہ تھے جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں سے

حضرت علی (علیہ السلام) کے ہاتھوں پر لی تھی اور اپنے بعد آپ (علیہ السلام) کو ان کا امیر بنایا تھا اور ابھی کچھ عرصہ بھی نہیں گذرا تھا کہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات ہو گئی اور

ابوبکر کی بیعت کر لی گئی ہے اور وہ منصب خلافت پر بیٹھ گئے ہیں چنانچہ اس حادثہ کی بنا پر وہ بالکل حیران رہ گئے

اور انہوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے بالکل انکار کر دیا اور نئی حکومت کو اس لئے زکات نہیں دی کہ یہ غیر شرعی ہے۔ یہاں تک کہ (دھول چھٹ گئی) اور صورتحال بالکل واضح ہو گئی اور وہ اپنے اسلام کے مطابق نماز پڑھتے تھے اور اسی طرح تمام مذہبی اعمال انجام دیتے رہے۔

لیکن ہر سر اقتدار طبقہ نے یہ پالیسی اختیار کی کہ جب تک حضرت علی (علیہ السلام) اور آپ کے اصحاب کی مخالفت حکومت کے لئے اندرونی خطرہ کی شکل میں باقی ہے

اس قسم کے جتنے لوگ بھی اس حکومت کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں ان پر کسی طرح روک لگادی جائے ورنہ اگر اس بڑھتی ہوئی مخالفت کی آگ کو فوراً کنٹرول نہ کیا گیا اور اس پر روک نہ لگائی گئی تو ان کی حکومت کو خطرہ لاحق ہو جائے گا چنانچہ اس کا یہ طریقہ کار اپنایا گیا کہ اس مخالفت کے سربراہ حضرت علی (علیہ السلام) کو ابوبکر کی بیعت کے لئے مجبور کیا جائے۔

بعض مورخین نے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب خلیفہ اول کے پاس آئے اور ان سے کہا: کیا تم اس خلاف ورزی کرنے والے سے بیعت نہیں لوگے؟ اے بھائی تم اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتے جب تک علی بن ابی طالب تمہاری بیعت نہ کر لیں، لہذا ان کے پاس کسی کو بھیج دو تاکہ وہ بیعت کر لیں، تو ابوبکر نے قنفذ کو بھیجا، چنانچہ قنفذ نے امیر المومنین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آکر کہا، آپ کو خلیفہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بلایا ہے، تو حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا: کتنی جلدی تم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف جھوٹی نسبت دیدی ”یہ سن کر وہ واپس چلا گیا اور اس نے یہ پیغام پہنچا دیا، تو ابوبکر بہت دیر تک روئے عمر نے ان سے پھر کہا اس خلاف ورزی کرنے والے کو بیعت نہ کرنے کی چھوٹ نہ دو تو ابوبکر نے قنفذ سے پھر کہا: کہ ان کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ خلیفہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تمہیں اپنی بیعت کرنے کے لئے بلایا ہے تو قنفذ نے دوبارہ آکر آپ تک ان کا یہ پیغام پہنچا دیا تو حضرت علی (علیہ السلام) نے بلند آواز سے فرمایا سبحان اللہ وہ اس چیز کا مدعی ہو گیا ہے جو اس کا حق نہیں ہے، اس طرح قنفذ پھر پلٹ کر واپس آگیا اور اس نے ابوبکر کو آپ کا جواب سنا دیا، جس سے ابوبکر تادیر روتے رہے، تو عمر نے کہا اٹھو اور ان کے پاس چلو چنانچہ ابوبکر، عمر، عثمان، خالد بن ولید، مغیرہ بن شعبہ، ابو عہیدہ جراح اور ابو حذیفہ کا غلام سالم اٹھ کر چل دئے۔

جناب فاطمہ زہرا (س) کو یہ یقین تھا کہ آپ کے گھر میں کوئی بھی آپ کی اجازت کے بغیر گھسنے کی ہمت نہیں کرے گا چنانچہ جب یہ سب آپ کے دروازے پر پہنچ گئے اور انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور آپ نے ان کی آوازیں سنیں تو بلند آواز سے یہ فریاد کی: **یا اُبت یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ما ذالقینا بعدک من ابن الخطاب و ابن اُبی قحافہ، لا عہد لی بقوم حضروا اُسوا محضر منکم، ترکتم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جنازۃ بائدینا و قطعتم اُمرکم بینکم، لم تستأْمرونا، و لم تردّوا لنا حقاً** اے بابا! اے اللہ کے رسول ہمیں آپ کے بعد ابن خطاب اور ابوقحافہ کے بیٹے کے ہاتھوں کیسے کیسے دن دیکھنا پڑے، ان لوگوں سے مجھے کوئی سروکار نہیں جو بدترین شکل میں یہاں حاضر ہوئے ہیں تم لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جنازہ ہمارے ہاتھوں پر چھوڑ دیا اور اپنے امور کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا، نہ ہم سے کوئی اجازت مانگی اور نہ ہی ہمیں ہمارا حق واپس پلٹایا

جب لوگوں نے حضرت فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کی آواز کے ساتھ آپ کے ہین بھی سنے تو وہ روتے ہوئے واپس چلے گئے اور ایسا لگتا تھا جیسے ان کے دل پھٹ جائیں گے اور ان کے کلیجے پارہ پارہ ہو جائیں گے البتہ عمر اور ان کے ساتھ کچھ لوگ وہیں رکے رہے اور عمر نے لکڑیاں منگائیں اور چیخ کر کہا: اس ذات کی قسم جس کے

ہاتھ میں عمر کی جان ہے۔ یا تو باہر نکل ورنہ سب کو جلا کر راکھ کردوں گا تو کسی نے ان سے کہا اے ابوحفص: اس میں فاطمہ (س) ہیں، کہا چاہے کوئی بھی ہو۔

چنانچہ جناب فاطمہ زہرا (علیہا السلام) نے دروازہ کے پیچھے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا: ”و یحک یا عمر ما هذه الجراة علی اللہ و علی رسولہ؟ ترید اَنْ تقطع نسلہ من الدنیا و تغنیہ و تطفی نور اللہ؟ و اللہ متّم نورہ“

”اے عمر! تمہارے اوپر تف ہو، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوپر تیری یہ جرات؟ کیا تم ان کی نسل کو منقطع کر کے انہیں دنیا سے مٹانا چاہتے ہو اور خدا کے نور کو بجھانا چاہتے ہو اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے“ اتنے میں عمر نے دروازہ پر لات ماری، تو شہزادی کائنات (علیہا السلام) پردے کی وجہ سے دروازے اور دیوار کے درمیان درپردہ پس گئیں، اس کے بعد وہ سب گھر میں گھس آئے جس کی وجہ سے شہزادی (علیہم السلام) کی چیخ نکل گئی اور اسی وجہ سے آپ کے شکم میں موجود بچہ کی شہادت واقع ہو گئی۔

پھر وہ سب حضرت علی (علیہ السلام) کے اوپر ٹوٹ پڑے اس وقت آپ اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان سب نے مل کر آپ کے کپڑوں کو گھسیٹتے ہوئے آپ کو باہر نکالا اور سقیفہ کی طرف لے کر چلے تو جناب فاطمہ (علیہا السلام) ان کے اور اپنے شوہر کے درمیان حائل ہو گئیں اور آپ نے یہ فریاد کی: ”و اللہ لا ادعکم تجزّون ابن عمی ظلماً، ویلکم ما اُسرع ما خنتم اللہ و رسولہ، فینا اهل البيت، و قد اوصاکم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باتّباعنا و مودّتنا و التمسک بنا“ اللہ کی قسم! میں نہیں چھوڑوں گی کہ تم میرے ابن عم کو ظلم کے ساتھ کہینچتے ہوئے لے جاؤ تمہارے اوپر تف ہو، تم کتنی جلدی ہم اہل بیت (علیہم السلام) کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خیانت کر بیٹھے جب کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم کو ہماری پیروی، اور مودت اور ہم سے متمسک رہنے کا حکم دیا تھا۔“

تو عمر نے قنفذ کو آپ کے اوپر ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا چنانچہ قنفذ نے آپ کے بازو پر ایسا کوڑا مارا کہ جس سے بازو پر نیلانشان بن گیا۔

وہ سب مولائے کائنات کو کہینچتے ہوئے سقیفہ میں لے گئے جہاں اس وقت ابوبکر بیٹھے ہوئے تھے آپ دائیں بائیں دیکھ کر یہ کہتے جارہے تھے: ”و احمزتاہ و لا حمزة لی الیوم، واجعفراہ و لا جعفر لی الیوم“!! ”آہ اے حمزہ! آج میرے لئے کوئی حمزہ نہیں ہے، آہ اے جعفر! آج میرے لئے کوئی جعفر نہیں ہے“

اور جب وہ آپ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قبر کے پاس سے لے کر گذرے تو آپ نے کہا: ”یا ابن امّ انّ القوم استضعفونی و کادوا یقتلوننی“ ”اے میرے مانجائے اس قوم نے مجھے کمزور بنا ڈالا ہے اور یہ مجھے قتل کرنے کے درپے ہیں“

عدی بن حاتم کہتے ہیں: خدا کی قسم! مجھے کسی کے اوپر اتنا رحم نہیں آیا جتنا رحم علی بن ابی طالب (علیہ السلام) کے اوپر اس وقت آیا جب انہیں ان کے کپڑوں سے گھسیٹتے ہوئے لایا گیا تھا، اور انہیں ابوبکر کے سامنے پیش کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ بیعت کرو تو انہوں نے کہا: ”فان لم افعل فمہ“ اگر میں نہ کروں تو کیا ہوگا؟

تو عمر نے کہا: خدا کی قسم، میں تمہاری گردن اڑا دوں گا، تو حضرت علی (علیہ السلام) نے کہا: ”اذن و اللہ تقتلون عبد اللہ و اُخا رسولہ“ اللہ کی قسم تو تم اللہ کے بندہ اور رسول اللہ کے بھائی کو قتل کرو گے، تو عمر نے کہا خدا کا بندہ یہ تو ٹھیک ہے لیکن رسول اللہ کا بھائی یہ درست نہیں تو آپ نے فرمایا: ”اتّجدون اَنْ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آخی بینی و بینہ؟!“ کیا تم اس کے منکر ہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے اپنا بھائی بنایا تھا، اس کے بعد امام (علیہ السلام) اور برسر اقتدار طبقہ کے درمیان اس طرح

گرما گرم بحث ہوتی رہی۔

اس وقت تک جناب فاطمہ (س) امام حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) کے ہاتھ پکڑے ہوئے وہاں پہنچ گئیں کوئی ہاشمی خاتون ایسی نہیں تھی جو آپ کے ساتھ وہاں نہ پہنچی ہو اور وہ سب فریاد و بکاء اور آہ و واویلا کر رہی تھیں پھر جناب فاطمہ (علیہا السلام) نے فرمایا: ”خلوا عن ابن عمّی!! خلوا عن بعلی!! و اللہ لا کشفن رأسی و لا أضعن قمیص ابی علی رأسی و لا دعون علیکم، فما ناقة صالح بأکرم علی اللہ منی، و لا فصیلها بأکرم علی اللہ من ولدی“۔ میرے ابن عم کو چھوڑ دو، میرے شوہر کو چھوڑ دو، اللہ کی قسم! میں آپنا سر کھول دوں گی اور آپنے بابا کی قمیص آپنے سر کے اوپر رکھ کر تمہارے لئے بد دعا کروں گی خدا کے نزدیک ناقہ صالح مجھ سے زیادہ محترم نہیں

اور نہ ہی اس کا بچہ میرے ان دونوں بچوں سے زیادہ خدا کے نزدیک محترم ہے۔

عیاشی کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا تھا: ”یا ابا بکر، ا ترید ان ترملنی عن زوجی و تیتم اولادی؟ و اللہ لئن لم تکف عنه لأنشرن شعری و لأشقن جیبی و لأتین قبر ابی و لأصرخن الی ربی“ اے ابوبکر، کیا تو میرا سہاگ اجاڑنا چاہتا ہے؟ اور میرے بچوں کو یتیم کرنا چاہتا ہے؟ اللہ کی قسم! اگر تم آپنے عمل سے باز نہیں آو گے، تو میں آپنے سر کے بال پریشان اور آپنا گریبان چاک کردونگی، اور آپنے بابا کی قبر پر جاکر خدا سے فریاد کروں گی، پھر آپ امام حسن (علیہ السلام) اور امام حسین (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑ کر آپنے بابا کی قبر کی طرف بڑھیں یہ منظر دیکھ کر لوگ چاروں طرف سے ابوبکر کی طرف اشارہ کر کے چلانے لگے: تم ان سے کیا چاہتے ہو؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس امت پر عذاب نازل ہو جائے؟

ادھر شہزادی آپنے بابا کی قبر مبارک کی طرف جاتے ہوئے ان سے یوں مدد طلب کر رہی تھیں: ”یا اُبتا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ماذا لقینا بعدک من ابن الخطاب و ابن ابی قحافة؟ اے بابا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے بعد ہمیں خطاب کے بیٹے، پسر ابوقحافہ کے ہاتھوں کیا کیادن دیکھنا پڑے چنانچہ ہی ہی کی آپیں سننے کے بعد کوئی دل ایسا نہیں تھا جو غمزدہ نہ ہو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوئے ہوں۔

۹-آمنے سامنے کا مقابلہ

جناب فاطمہ (علیہا السلام) کو ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ انہیں اتنے برے دن دیکھنا پڑیں گے، اگرچہ آپ کے والد ماجد نے پہلے سے آپ کو اس کی اطلاع دے رکھی تھی مگر سننے اور دیکھنے میں بڑا فرق ہے خاص طور سے مصیبت سہنے کا اثر تو دیکھنے اور سننے دونوں سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے آپنے والد گرامی سے یہ ضرور سن رکھا تھا کہ زمانہ ان کا مخالف ہو جائے گا اور چھپے ہوئے کینے آپ کی وفات کے بعد کھل کر سامنے آجائیں گے چنانچہ آپ نے اپنی آنکھوں سے ان تمام باتوں کا مشاہدہ کر لیا اور لوگ آپ کے شوہر نامدار کے اوپر ٹوٹ پڑے

اور اس گھر میں درانہ گھس آئے جس میں پیغمبر اکرم بھی جناب فاطمہ (س) سے اجازت مل جانے کے بعد ہی داخل ہوتے تھے۔

جناب فاطمہ (علیہا السلام) کو بخوبی یاد تھا کہ ربیبہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جناب زینب، آپنے بابا کے پاس جانے کے لئے تیار ہوئیں اور اونٹ پر ہودج میں بیٹھ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں تو اس وقت ہبار بن اسود انہیں پکڑنے کے لئے آیا اور اس نے انہیں ڈرانے کے لئے ہودج پر آپنا نیزہ مارا، تو چونکہ اس وقت زینب حاملہ

تھیں اس کے خوف سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا اس لئے پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتح مکہ کے دن ہبّار بن اسود کا خون مباح کر دیا تھا۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لیتے تو کیا کہتے؟ ان کے امتیوں نے آپ کی چہیتی اور اکلوتی ہیٹی کے گھر کی حرمت کا بھی کوئی خیال نہیں کیا؟ حتیٰ کہ آپ کے اس جگر کے ٹکڑے کا بھی کوئی لحاظ نہ رکھا اور ان کی جراثیں اتنی بڑھ گئیں کہ وہ درانہ گھر میں گھس آئے اور آپ کو درو دیوار کے درمیان پیس دیا جس کی بنا پر آپ کے شکم میں آپ کے بچہ کی شہادت ہو گئی اور آپ اس کی وجہ سے مسلسل مریض رہنے لگیں اور اسی کی وجہ سے آپ کی شہادت بھی ہوئی؟

جناب فاطمہ (س) کے گھر پر جو آمنے سامنے کا مقابلہ ہوا اگرچہ وہ ایک مختصر سی مدت اور بظاہر ایک گھر کی حدوں تک محدود تھا مگر اس کے باوجود اس کی صدائے بازگشت نسل در نسل آج تک سنائی دیتی چلی آرہی ہے اور آل محمد (علیہم السلام) کے چاہنے والوں کو ان پر ہونے والے مظالم کی تلخیوں کا ایسا احساس ہوتا جیسے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کو ابھی چند دنوں سے زیادہ نہ گذرے ہوں۔ اس آمنے سامنے کی صورتحال میں شہزادی کی شخصیت کے بعض اہم پہلوؤں کو بآسانی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۱- شہزادی کائنات وصی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دفاع کے لئے پیش پیش رہیں۔ اور انتہائی صلابت کے ساتھ دروازے کے پیچھے جم کر کھڑی ہو گئیں اور ایسے دلائل سے لوگوں کو للکارا کہ ظالم لرزہ براندام ہو گئے اور ان کی دھمکیوں کے باوجود بھی آپ خاموش نہیں رہیں کیونکہ آپ حق بجانب تھیں اور آپ کے گھر پر دھاوا بولنے والے خلافت شرعیہ کے غاصب تھے۔

۲- جب وہ لوگ حضرت علی (علیہ السلام) کو گھسیٹ کر لے گئے تو آپ دوبارہ ان کی سینہ سپر ہو گئیں اور اس سے پہلے اپنے گھر میں تمام مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنے کے باوجود آپ دربار خلافت میں پہنچ گئیں تاکہ کسی طرح مولائے کائنات (علیہم السلام) کو ان کے چنگل سے چھڑا سکیں، کیونکہ آپ دوسرے حق کی مالک تھیں، ایک تو وصی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حق کا دفاع اور ان کی خلافت کا مطالبہ اور دوسرے آپ کا حق مظلومیت یعنی جو کچھ دیر پہلے لوگوں نے آپ کے گھر پر دھاوا بول کر آپ کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا تھا جب کہ آپ ان کے رسول کی بیٹی تھیں۔

اور جب آپ کو ہر چارہ کار مسدود نظر آیا اور آپ کی کوئی تدبیر کار گر نہ ہو سکی تو سب کے سامنے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قبر کی طرف فریاد و بکا کرنے کے لئے روانہ ہو گئیں تاکہ ہر حق کے متلاشی کے لئے یہ واضح ہو جائے کہ خلافت آپنے اصل راستہ اور شرعی حقداروں سے بھٹک چکی ہے۔ اور اس طرح آپ نے خلافت کے شرعی حقدار یعنی مولائے کائنات (علیہ السلام) کو ان کا حق دلانے کی کوششوں میں اہم کردار ادا کیا اور کم سے کم اسلامی تجربہ کو اس کے صحیح راستہ پر لگا دیا ہے اور قوم کے شعور کو بلند کر کے غاصبین خلافت کو رسوا کر کے رکھ دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ واضح کر دیا کہ ان کے اندر قوم کی قیادت و رہبری کی بالکل لیاقت نہیں ہے۔

امامت کی حقانیت اور اہلبیت (علیہم السلام) کی مظلومت کے بارے میں آپ کا ارشاد:

محمود بن لہید کا بیان ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد جناب فاطمہ (س) شہدائے احد اور جناب حمزہ کی

قبر پر تشریف لاتی تھیں،

ایک دن آپ کو میں نے جناب حمزہ کی قبر پر گریہ کرتے ہوئے دیکھا، میں انتظار کرتا رہا اور جب آپ خاموش ہو گئیں تو میں نے آگے بڑھ کر آپ کو سلام کیا اور آپ سے دریافت کیا، اے تمام عورتوں کی سردار آپ نے تو اپنے انداز گریہ سے میرے دل کو پارہ پارہ کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا: ”یا ابا عمر! لحق لی البكاء فلقد اُصبت بخیر الآباء رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) و اشوقاہ الی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)“۔
اے ابو عمر! میرا یہ گریہ و بکا بالکل بجا ہے میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسے بہترین باپ کی آغوش میں آنکھ کھولی ہائے مجھے رسول خدا کا کتنا اشتیاق ہے پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

اذا مات میت قل ذکرہ

و ذکر اُبی مذ مات و اللہ اُکثر

”جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کا ذکر کم ہو جاتا ہے لیکن میرے بابا جب سے دنیا سے گئے ان کے ذکر میں اضافہ ہو گیا۔“

میں نے عرض کی، اے شہزادی میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں جو میرے ذہن میں رہ رہ کر ابھرتا ہے آپ نے فرمایا، دریافت کرو مینے عرض کی: کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی وفات سے پہلے حضرت علی (علیہ السلام) کی امامت کی کہیں صراحت کی ہے؟ آپ نے فرمایا، ہائے تعجب ہے! کیا تم غدیر خم کا واقعہ بھول گئے؟ میں نے کہا یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ مجھے اس بارے میں مطلع فرمائیں جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آپ سے رازدارانہ انداز میں فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا: ”اشہد اللہ تعالیٰ لقد سمعته یقول: علی خیر من اُخلفہ فیکم، و ہو الامام و الخلیفۃ بعدی و سبطای و تسعة من صلب الحسین ائمة ابرار، لئن اتبعتموہم و جدتموہم ہادین مہدیین، و لئن خالفتموہم لیكون الاختلاف فیکم الی یوم القیامة“ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے بعد باقی رہ جانے والوں میں علی (علیہ السلام) سب سے بہتر ہیں اور وہ میرے بعد امام اور خلیفہ ہیں، اور میرے دونوں نواسے اور حسین (علیہ السلام) کی نسل سے نو (فرزند) ائمہ ابرار ہیں اگر تم ان کی پیروی کرو گے تو ان کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے اور اگر تم ان کی مخالفت کرو گے تو قیامت تک تمہارے درمیان اختلاف باقی رہے گا“

میں نے عرض کی! اے شہزادی: پھر انہوں نے آپنا حق کیوں نہیں لیا؟ آپ نے فرمایا: ”یا ابا عمر، لقد قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): مثل الأمام مثل الکعبة اذ توتی و لا تاتئ - ا و قالت مثل علی - ثم قالت: اُما و اللہ لو ترکوا الحق علی اہله و اتبعوا عترۃ نبیہ لما اختلفا فی اللہ اثنان، و لورثھا سلف عن سلف و خلف عن خلف حتی یقوم قائمنا التاسع من ولد الحسین، ولكن قدّموا من اُخرہ اللہ و اُخروا من قدّمہ اللہ، حتی اذا اُلحدوا المبعوث و اُدعوه الجدث المجدوث اختاروا بشہوتہم، و عملوا بآرائہم، تبّاً لہم، ا ولم یسمعوا اللہ یقول: > و ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لہم الخیرۃ < بل سمعوا و لکّہم کما قال اللہ سبحانہ: > فاتّھا لاتعمی الأبصار و لكن تعمی القلوب التی فی الصدور < ہیہات بسطوا فی الدنیا آمالہم، و نسوا آجالہم“

رسول اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ امام کی مثال کعبہ جیسی ہے کہ لوگ اس کے پاس جاتے ہیں اور کعبہ کسی کے پاس نہیں جاتا (یا شہزادی نے یہ فرمایا: علی (علیہ السلام) کی مثال) پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر لوگ حق کو اس کے اہل کے اوپر چھوڑ دیتے اور اس کے نبی کی عترت کی پیروی کرتے تو خدا کے بارے میں دو لوگ بھی اختلاف نہ کرتے اور اسلاف، اسلاف کے اور اخلاف، اخلاف کے وارث ہوتے رہتے یہاں تک کہ ہمارے قائم،

حسین(علیہ السلام) کی نسل کے نویں فرزند کا قیام ہوتا، لیکن ان لوگوں نے اسے آگے بڑھا دیا جسے اللہ نے موخر کیا تھا

اور اسے پیچھے ڈھکیل دیا، جسے اللہ نے مقدم فرمایا تھا یہاں تک کہ وہ پیغمبر کا انکار کر بیٹھے۔
کیا انہوں نے خدا کا یہ قول نہیں سنا <و ربک یخلق ما یشاء و یشاء ما کان لہم الخیرہ> اور آپ کا پروردگار جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے اور لوگوں کو کسی کا انتخاب کرنے کا حق نہیں ہے۔
انہوں نے اسے سنا تو ہے مگر وہ ایسے ہو گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:
<فانہا لا تعمی الابصار ولكن تعمی القلوب التی فی الصدور> ”در حقیقت آنکہیں اندہی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر پائے جاتے ہیں۔“

افسوس انہوں نے آپنی دنیاوی آرزوں کا دامن کتنا وسیع کر دیا اور آپنی موت کو بھول گئے اور ان کے اعمال بے راہ روی کا شکار ہو گئے بار الہا! میں تجھ سے تیری پناہ چاہتی ہوں۔
اور عائشہ بنت طلحہ کے جواب میں آپ(علیہا السلام) نے فرمایا:
”اُتسألینی عن ہنۃ حلّق بها الطائر، و حفی بها السائر، رفعت الی السماء اُثراً، و رزئت فی الأرض خبراً؟ انّ قحیف تیم، و احویل عدی جاریا اُبالحسن فی السباق، حتی اذا تفرّیا فی الخناق فأسرّا لہ الشنآن، و طویاہ الاعلان، فلما خبا نور الدین و قبض النبی الأُمین نطقا بغورهما، و نفثا بسورهما، و ادالا فدکاً، فیالہا کم من ملک ملک، اُٹھا عطیۃ الربّ الاعلیٰ للنجی الاوفی، و لقد نحلینہا للصبیۃ السواغب من نجلہ و نسلی، و اُٹھا لبعلم اللہ و شہادۃ اُمینہ، فان انتزعا منی البلغۃ و منعانی اللمظۃ فاحسبہا یوم الحشر، و لیجدن آکلہا ساعرة حمیم فی لظی حمیم۔“

”اے طلحہ کی بیٹی اس مصیبت اور ہولناک واقعہ کے بارے میں پوچھتی ہو کہ جو ہر جگہ پھیل چکا ہے جس طرح سے کہ پرندوں کے پروں پر تحریر ہو کے پوری دنیا میں بکھر جائے اور ایک چابک سوار ایلچی تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر پوری دنیا میں پھونچا دے، ایسی مصیبتیں کہ جس کے غبار آسمان تک پہنچ گئے ہو اور جس کی تیرگی نے زمین و زمان کو آپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ عرب کے پست ترین قبیلہ، قبیلہ تیم(ابو بکر) اور عرب کے پُر فریب ترین قبیلہ، قبیلہ ”عدی“ (عمر بن خطاب) نے ابو الحسن امیر المومنین(علیہ السلام) پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے

اور ان پر سبقت کرنے کے لئے دوڑ لگائی، لیکن جب وہ کامیاب نہیں ہوئے (اور ان کو کوئی فضیلتیں حاصل نہیں ہوئیں) تو انہوں نے کینہ و حسد کو آپنے دلوں میں چھپا لیا جب نور دین و ہدایت خاموش ہو گیا یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہ وفات ہو گئی، تو وہ چھپا ہوا کینہ ان کے منہ تک آگیا اور وہ آپنی ہوا و ہوس کی سواری پر سوار ہو گئے اور ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا اور ”فدک“ کو غصب کر لیا، بہت سے بادشاہ و سلاطین کہ جو سر زمین ”فدک“ کے مالک ہوئے لیکن آج ان کا کوئی اثر باقی نہیں ہے، ”فدک“ خدا کی طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ایک ہدیہ تھا۔ اور پیغمبر اکرم(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اسے میری اولاد کی مخارج زندگی کے لئے، مجھے سپرد کیا تھا، فدک کا پیغمبر کو مجھے ہبہ کرنا حکم خدا اور جبرئیل امین کی گواہی کے تحت ہے، لہذا اگر (ابو بکر و عمر) نے ظلم کر کے اسے غصب کر لیا ہے اور وسائل زندگی کو میری اولاد سے قطع کر دیا ہے تو روز قیامت تک میں اس مصیبت پر صبر کرتی ہوں، اور عنقریب فدک کو غصب کر کے کھانے والے جہنم میں عذاب الہی کا مزہ چکھیں گے۔“

شہزادی کائنات اپنے بابا کی وفات کے بعد کچھ مہینوں سے زیادہ زندہ نہیں رہیں اور یہ دن بھی اکثر آہ و بکا اور گریہ و زاری میں گزرے ہیں اور اس دوران آپ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا اسی لئے آپ کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ گریہ کرنے والوں میں ہونے لگا۔

آپ کے اس گریہ و بکاء کے مختلف اسباب تھے جن میں سب سے اہم وجہ مسلمانوں کا صراط مستقیم سے بھٹکنا اور ایسی پستیوں میں گرنا تھا جس کے نتیجہ میں ان کے درمیان ہر روز اختلافات کی خلیج کا وسیع سے وسیع تر ہونا لازمی تھا۔

اور چونکہ شہزادی کائنات نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسلام اور دین کی نشر و اشاعت نیز اس کی ترقی کے دور میں نہ صرف یہ کہ زندگی بسر کی تھی بلکہ اس کے لئے بیحد قربانیاں بھی پیش کی تھیں لہذا آپ کی خواہش یہی تھی کہ

اسلام کو ہر لحاظ سے کامیاب و کامران اور سربلند دیکھیں اور اس کے ذریعہ دنیا کے چپے چپے میں عدل و انصاف کا مستحکم تسلط قائم ہو جائے۔ لیکن خلافت کے غصب ہوتے ہی آپ کی آرزوؤں کا یہ محل چور ہو گیا اور اپنے بابا کے فراق جیسی عظیم مصیبت کے فوراً بعد آپ کو اپنے دل پر یہ سنگین بوجھ بھی برداشت کرنا پڑا۔ ایک دن جناب ام سلمہ نے آپ سے دریافت کیا: آج تمہاری صبح کیسی ہوئی، تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا:

”اُصْبَحْتُ بَيْنَ كَمَدٍ وَ كَرْبٍ، فَقَدْ النَّبِيُّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) وَ ظَلَمَ الْوَصِي (عَلَيْهِ السَّلَامُ)، هَتَكَ وَ اللَّهُ حِجَابَ مَنْ أَصْبَحَتْ إِمَامَتُهُ مَقْبُضَةً عَلَى غَيْرِ مَا شَرَعَ اللَّهُ فِي التَّنْزِيلِ اُو سَنَّا النَّبِيَّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) فِي التَّأْوِيلِ، وَ لَكِنَّهَا أَحْقَادٌ بَدْرِيَّةٌ وَ تَرَاتٍ أَحَدِيَّةٌ“ اس حال میں صبح ہوئی کہ کرب و بے چینی ہے، نہی کا فراق ہے ان کے وصی کے اوپر مظالم ڈھائے گئے ہیں، اس کی حرمت کے پردے چاک کر دئے گئے جس کی امامت پر خدا کی نازل کردہ شریعت اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیان کردہ سنت کے برخلاف قبضہ کر لیا گیا، لیکن (کیا کیا جائے) یہ سب بدر کے کینے اور احد کی میراث ہے۔“

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ”غَسَلْتُ النَّبِيَّ فِي قَمِيصِهِ، فَكَانَتْ فَاطِمَةُ تَقُولُ: اُرْنِي الْقَمِيصَ فَإِذَا شَمَمْتَهُ غَشِيَ عَلَيْهَا، فَلَمَّا رَأَيْتَ ذَلِكَ غَيْبْتَهُ“ میں نے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کی قمیص میں غسل دیا: تو فاطمہ (س) مجھ سے یہ کہتی تھیں کہ مجھے وہ قمیص دکھا دیجئے اور جب ان کی نگاہ اس پر پڑتی تھی تو وہ غش کھا جاتی تھیں جب میں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو اس قمیص کو چھپا دیا۔

روایت میں ہے کہ جب پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات ہو گئی تو جناب بلال نے اذان دینا بند کر دی اور کہا کہ میں رسول اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد کسی کے لئے اذان نہیں کہوں گا، مگر جب ایک دن شہزادی نے یہ خواہش ظاہر کی: ”اِنِّیْ اُشْتَهٰی اَنْ اُسْمَعَ صَوْتَ مُؤَدِّنِ اٰہِی (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) بلال“ ”مجھے اپنے بابا کے مؤذن بلال کی آواز سننے کا اشتیاق ہو رہا ہے“

چنانچہ جناب بلال کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے گلدستہ اُ اذان پر جاکر اذان شروع کر دی جب انہوں نے اللہ اکبر کہا تو شہزادی کو اپنے بابا اور ان کا دور یاد آگیا اور آپ اپنے گریہ پر قابو نہ پاسکیں، جب جناب بلال نے یہ جملہ کہا: ”اشھد ان محمداً رسول اللہ“ تو آپ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑیں۔ تو لوگوں نے کہا: اے بلال رک جاؤ کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی اس دنیا سے گذر گئی ہیں، کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے ”تو بلال نے درمیان سے ہی اپنی اذان ختم کر دی، جب

شہزادی(علیہا السلام) کی طبیعت بحال ہوگئی تو آپ نے ان سے اذان مکمل کرنے کو کہا تو انہوں نے اذان مکمل نہیں کی بلکہ آپ کی خدمت میں یہ عرض کی: مجھے آپ کے بارے میں خطرہ ہے کیونکہ میری اذان کی آواز سن کر آپ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پاتی ہیں لہذا آپ مجھے اس سے معاف رکھیں۔

شہزادی(علیہا السلام) کے گریہ و بکا کا سلسلہ دن اور رات میں کسی وقت نہیں رکتا تھا، جس کی بنا پر آپ کے پڑوسی بھی ہیتاب ہوگئے اور مدینہ کے سر کردہ افراد کو لے کر امیر المومنین(علیہ السلام) سے یہ شکایت کی: اے ابوالحسن، فاطمہ(س) دن رات گریہ کرتی رہتی ہیں جس کی بنا پر ہمیں بھی راتوں کو نیند نہیں آتی اور نہ ہی دن میں ہم اپنے کام کاج کرپاتے ہیں لہذا آپ ہماری طرف سے ان سے یہ گزارش کر دیں کہ یا صرف دن میں رولیا کریں یا پھر رات میں۔

چنانچہ حضرت علی(علیہ السلام) نے شہزادی تک ان کی یہ گزارش پہنچادی: ”یا بنت رسول اللہ ان شیوخ المدينة یسألوننی ان اسألك اما ان تبکی اباک لیلاً او نهاراً“ ”مدینہ کے بڑے بڑے حضرات نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ میں تم سے ان کی یہ گزارش کردوں کہ آپنے بابا پر یا دن میں رو لیا کرو یا رات میں، تو آپ نے فرمایا: ”یا اباالحسن، ما اقل مکثی بینہم، و ما اقرب مغیبی من بین اظہرہم“ اے ابو الحسن ان کے درمیان میرا قیام کتنا کم رہ گیا ہے اور میں بہت جلد ہی ان کے درمیان سے رخصت ہو جاؤں گی۔

چنانچہ امیر المومنین(علیہ السلام) کو مجبورا مدینہ سے باہر اور بقیع کے پیچھے ایک حجرہ بنوانا پڑا جسے ” بیت الاحزان “ کہا جاتا ہے چنانچہ ہر روز صبح کو آپ امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کا ہاتھ پکڑ کر روتی ہوئی بقیع سے گذر کر وہاں چلی جاتی تھیں اور شام کو جاکر امیر المومنین آپ کو وہاں سے اپنے گھر واپس لے آتے تھے۔

انس کہتے ہیں: جب ہم رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تدفین سے فارغ ہوگئے تو میں شہزادی کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا: ”کیف طاواعتکم انفسکم علی ان تہیلوا التراب علی وجہ رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)؟“ تم نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرہ کے اوپر مٹی ڈال سکو؟ اور یہ کہہ کر آپ رونے لگیں۔

امام جعفر صادق(علیہ السلام) فرماتے ہیں: ”وحزنت فاطمة(علیہا السلام) حزناً شديداً اُثّر علی صحتها، والمرّة الوحيدة التي ابتسمت فیہا بعد وفاة ابيہا(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عندما نظرت الى اسماء بنت عميس و هي علی فراش الموت و بعد ان لبست ملابس الموت، فابتسمت و نظرت الى نعشہا الذي عمل لها قبل وفاتها و قالت: ستر تمونی سترکم اللہ“ شہزادی کائنات(علیہا السلام) اتنی زیادہ مغموم رہتی تھیں کہ اس سے آپ کی صحت خراب ہوگئی تھی اور آپ اپنے بابا کے بعد صرف ایک بار اس وقت مسکرائی تھیں کہ جب آپ رحلت کے کپڑے پہنے ہوئے اپنے بستر شہادت پر لیٹی ہوئی تھیں اور اس وقت آپ اسماء بنت عمیس کو دیکھ کر مسکرائی تھیں جنہوں نے آپ کے لئے تابوت بنایا تھا، اور آپ نے ان سے فرمایا تھا: تم نے میرے پردہ کا انتظام کیا ہے، اللہ تمہارا پردہ قائم رکھے۔